اپنی عزیز ترین چھوٹی بہنوں

یاسمین اختر اور پروین اختر

کے نام

خلوص و محبت جن پر ختم ہے

کل اس وقت تک یہاں سب کچھ جوں کا توں تھا مگر آج۔ ایک رات میں ایسا بھیانک انقلاب آگیا تھا جیسے کوئی آدمی متواتر ڈراؤنا خواب دیکھتا رہے۔ جاگنے کی کوشش کرے مگر جاگ نہ سکے!۔

وہ باغ میں کھلنے والے دریچے میں بیٹھی تھی۔ آسمان صاف نیلا اور چمکیلا تھا۔ دور اُفق میں باز اور بحری پرندے ہواؤں میں تیرتے ہوئے مڑتے۔ جیسے سے نظر آرہے تھے۔ فضا اتنی چمکیلی تھی کہ اس پر نظر جمانا دشوار ہو رہا تھا۔ گھاٹ کے کنارے سے سینی ٹوریم کی سفید عمارت دھوپ میں تاثر کن طریقے پر واضح ہو گئی تھی۔ اس کے سنہرے کلس سونے کی طرح جگمگا رہے تھے۔

باغ میں اتنا سناٹا تھا جیسے ہواؤں کے دل بھی سینے میں تھم چکے تھے۔ ہر درخت اپنی جگہ ساکت و دم بخود کھڑا تھا۔ روش پر مالی کی لڑکی ہرن کے بچے کے ساتھ بیٹھی دھوپ کھا رہی تھی۔!

اس کی پرنم آنکھیں کبھی یہاں کبھی وہاں بھٹکتی ہوئی فواروں پر ٹھہر گئیں۔ باغبان نے فوارے بند کر دیے تھے۔ ایک ٹوٹے ہوئے فوارے سے البتہ پانی ٹپ ٹپ گر رہا تھا جیسے بیوہ کی آنکھ سے بہتے آنسو۔

اندر بڑے بڑے ہال خاموش تھے۔ طویل و فراخ دالان گم صم تھے۔ کمرے مقفل کر دیے گئے تھے!۔ اور اس کا ڈھیروں سامان سامنے والے دالان میں رکھا ہوا تھا!۔

آج مجھ سے میرا گھر چھوٹ رہا ہے۔ اس نے چھوٹی سی سانس لے کر پشت سے سر ٹیک دیا اور بے معنی انداز میں سامنے دیکھنے لگی۔ دیوار پر اس کی ننھی سی بھتیجی نے چند رنگین لکیریں سی کھینچ دی تھیں۔ چھ سال پہلے۔ اور تب اس کی زندگی دلکش ماحول حسین اور گھر آباد تھا۔ ماں باپ زندہ تھے۔ بھیا ابھی سروس کر رہے تھے۔ وہ تین ہفتوں کی چھٹی پر آئے ہوئے تھے۔ کیسے معلوم تھا کہ ان کا آنا آخری مرتبہ کا ہے۔ وہ بھابی اور بچی کو بھی ساتھ لیتے آئے تھے وہ دن بے حد مصروف اور خوبصورت تھے۔ وہ دن بھر اپنی ننھی بھتیجی کے ساتھ کھیلا کرتی۔ اسی نے تو یہ رنگین لکیریں دیوار پر کھینچ دی تھیں۔ آج وہ بے جان لکیریں زبان حال سے ماضی کو دہرا رہی تھیں۔ تین ہفتوں بعد بھیا بھابی اور بچی چلے گئے ایک مہینے کے اندر اندر بھیا کے پلین کے حادثے کی خبر ملی۔ جب ان کی نعش تابوت میں رکھ کر دہلی سے حیدرآباد لائی گئی۔ تب امی نے اپنے جوان بیٹے کو متعدد ٹکڑوں میں تقسیم اور خون میں لت پت دیکھا۔ ان کے منہ سے ایک سسکی تک نہ نکلی۔ بس وہ سسکتے کی حالت میں بیٹے کی لاش پر گر پڑیں۔ پھر زندہ اٹھ نہ سکیں۔

کیسی کالی گھٹا۔ دہشت وزن پر چھا گئی تھی۔

ماں بیٹے کے جنازے آگے پیچھے کوٹھی سے نکلے تھے!۔

ان دنوں وہ صرف سولہ سال کی ناسمجھ اور بے شعور بچی تھی۔ اسے اپنی امی اور بھیا بہت بے قراری سے یاد آتے تھے۔ لیکن وہ ڈیڈی کی پرمحبت آغوش میں بہل گئی۔ ڈیڈی کو لڑکوں سے زیادہ لڑکیوں سے پیار تھا وہ تو ایک ہی تھی اور ایک ہی رہ گئی تھی۔ ڈیڈی بہت اچھے بہت پیارے تھے۔ ان کا دل بیک وقت باپ کا بھی تھا اور ماں کا بھی۔ وہ آہستہ آہستہ گھر سے باہر لے کر ایک ہی جگہ... اسی عرصہ میں بھابی نے کیپٹن مسعود

سے شادی کرلی اور بچی سمیت لندن چلی گئیں۔ ڈیڈی کے دل پر دھکا لگا! مگر وہ اپنی بچی کی خاطر منہ سے کچھ نہ بولے۔ وہ اسے اپنی جان سے بڑھ کر چاہتے تھے۔ وہ اسے یوں ٹریٹ کرتے جیسے وہ نوجوان لڑکی نہیں، گہوارے میں جھولتی ہوئی ننھی سی بچی ہو۔ وہ اس کا ہر کہا مان لیتے۔ اس کی کوئی آرزو کوئی خواہش پوری کرنے سے پیچھے نہ ہٹتے۔ وہ اس کے ساتھ نوعمر لڑکوں کی طرح کھیلتے بھی تھے۔ ٹینس، شہسواری اور آنکھ مچولی تک۔ پھر اسے آہستہ آہستہ احساس ہونے لگا کہ اس کے شاندار، باوقار اور سنجیدہ ترین ڈیڈی صرف اسی کی خاطر اپنی شخصیت کے خول سے باہر آتے ہیں۔ تب، وہ بے حد محتاط ہوگئی۔ اسے بھی عقل آگئی تھی۔ اب وہ اور ڈیڈی لازم و ملزوم تھے!۔

اسے اپنی کھوکھلی مگر بے پناہ مصروفیتوں میں یہ دھیان تک نہیں آیا کہ اس کے ڈیڈی دل کے بیمار ہیں۔ ان کے پچپن سال کے بھاری بھرکم جثے میں نہایت کمزور دل دھڑکتا ہے۔ وہ کبھی سوچ نہ سکی کہ اس کے ڈیڈی بھی بیمار پڑ سکتے ہیں، مر سکتے ہیں اور انھوں نے اپنے وفادار بوڑھے منشی شرافت حسین کو سخت تاکید کر دی تھی کہ بے بی کو ہرگز ان کی بیماری کی خبر نہ دی جائے!۔

گھر پر امتحان کے زمانے میں اس کا جی نہ لگتا۔ وہ ہر سال آخری امتحان کے سامنے ہوسٹل چلی جاتی تھی۔ یہ کالج اور ہوسٹل بھی ڈیڈی ہی کی ملکیت تھا۔ وہاں اس کی سہیلیاں تھیں اور مل جل کر اسٹڈی کرنے سے اسے سہولت بھی ملتی تھی۔

ان دنوں اس کا آخری پرچہ تھا۔

ہفتے کی شام وہ رخصت لے کر آئی۔ جب ٹول اپنے ڈیڈی سے ملی۔ وہ اس کے انتظار میں ٹہل رہے تھے۔ ڈارک براؤن تھری پیس سوٹ میں وہ ہمیشہ سے زیادہ بھاری بھرکم اور باوقار معلوم ہو رہے تھے!۔

انھوں نے اسے سینے سے لگا کر اس کی پیٹھ تھپکی تھی۔

ابھی تک ان کے گرم و مضبوط ہاتھ کا لمس اس کی پشت پر زندہ تھا!۔
رات کا کھانا دونوں نے ساتھ ہی کھایا تھا۔ اس نے دیکھا کہ آج وہ خلافِ معمول خاموش تھے۔

"آپ کی طبیعت کچھ ناساز ہے۔ ڈیڈی؟"
"نہیں تو" وہ جیسے بزور مسکرانے لگے تھے۔
"پھر آپ ہنستے کیوں نہیں؟" وہ بچوں کی طرح ٹھنکی!۔
وہ اس کی خاطر ہنسنے لگے۔

پھر وہ اسے اپنے ساتھ خوابگاہ میں لے گئے۔ آہنی الماری کھولی اور ایک موٹا سا فائیل اسے تھما دیا۔

"یہ کیا ہے۔ ڈیڈی؟" وہ متحیر تھی۔
"ہم ایک طویل سفر پر جانے والے ہیں۔ بیٹی۔ ہو سکتا ہے کہ ہماری واپسی میں دیر لگ جائے۔ یہ سارے کاغذات اب تمہارے ہیں۔ انھیں حفاظت سے رکھنا کیونکہ یہ بہت اہم ہیں۔ منشی صاحب تمھیں سب باتیں سمجھا دیں گے"

"آپ طویل سفر پر جا رہے ہیں؟" وہ ڈر کر ان کا چہرہ تکنے لگی مگر آج ہمیشہ کی طرح چیف جسٹس اعتماد علی خاں نے مسکرا کر اس کی طرف نہیں دیکھا۔ انھوں نے غیر محسوس سانس لی اور چہرہ موڑ لیا۔

"پھر آپ کب آئیں گے ڈیڈیکا۔ میں اکیلے کیسے رہوں گی" وہ مضطربانہ انداز میں پوچھ رہی تھی "میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی۔ دیکھئے نا۔ میرا آخری پیپر بھی اب ختم ہو گیا۔ ہر سال ہم کسی ہل اسٹیشن پر جاتے ہی ہیں ڈیڈی؟"

"کاروباری نوعیت کا سفر ہے بیٹی۔ ہمیں تنہا جانا ہے۔"
وہ بے پناہ اداسیوں میں ڈوب گئی۔ پتہ نہیں پھر ڈیڈی کب واپس آئیں۔

اب کی بار اس نے دختِ رز کو بھی نامعلوم سی اداسیوں میں ڈوبا دیکھا۔ برآمدے سے سبز سائے در و دیوار پر منجمد ہو گئے تھے۔ جج صاحب نے اپنی نئی کوٹھی کے آس پاس چھت پر سبز و سیاہ انگوروں کی بیلیں چڑھائی تھیں۔ انھوں نے بڑھتے پھیلتے دیوانوں کو اپنے دامن میں چھپا لیا تھا۔ اسی مناسبت سے ان کے کسی بیرسٹر دوست نے مذاق مذاق میں کوٹھی کا نام دختِ رز رکھ دیا۔ انگور کی بیٹی۔ جج صاحب کو بھی یہ برمحل نام ایسا پسند آیا کہ انھوں نے ہمیشہ کے لیے کوٹھی دختِ رز کے نام سے موسوم کر دی۔!
اتوار کی سہ پہر کو وہ اپنا سامان لانے ہوسٹل چلی گئی۔ جانے سے پہلے جج صاحب نے اس کی پیشانی چومی اور اتنی گرمجوشی سے اپنے سینے لگایا تھا کہ اسے بہت حیرت ہوئی تھی۔

صبح کو وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ بیٹھی تھی۔ رات ہوسٹل کے برآمدے میں میٹرن کا کتا ڈراونی آواز میں روتا رہا تھا۔ اس کی طبیعت بے چین تھی۔ دل ڈوبیدہ سا تھا۔ اور وہ بالکل خوش نہیں تھی۔ رہ رہ کر اسے بے وجہ رونا آرہا تھا۔ اسکی سہیلیاں آپس میں مذاق کرکے ہنس رہی تھیں۔ ان میں پروگرام بن رہے تھے۔ گرمی کی طویل چھٹیوں میں انھیں کہاں کہاں جانا ہے!۔

اور وہ بالکل خاموش مغموم سی بیٹھی تھی۔ سوٹ کیس ہولڈال اور اسکا بیگ اس کے قدموں میں رکھے ہوئے تھے!۔

تبھی میٹرن اندر آئی۔ اس کا چہرہ بے حد سنجیدہ تھا۔

لڑکیاں احتراماً کھڑی ہوگئیں۔

"بے بی جینی!"

جی۔ وہ نروس ہوگئی۔

تمہیں ابھی اور اسی وقت اپنے گھر جانا ہے۔ سامان بعد کو بھجوا دیا جائے گا۔

کیوں!۔ آم؟:

جلدی کرو۔ باہر ہوسٹل کی گاڑی منتظر ہے:

اس کا دل دھڑکنے لگا۔ پتہ نہیں کیا بات ہے۔ وہ باہر نکلی اور گاڑی میں بیٹھ گئی۔ جب کار گیٹ سے نکل گئی تب میٹرن دوسری لڑکیوں کی طرف مڑیں۔

یہ انیسہ ہے۔ انکا فون ملا کر۔ بس ۴ بجے جج صاحب کا اچانک ہارٹ فیل ہو گیا۔ بیچاری۔ غریب لڑکی:!

اسے یاد نہیں تھا کہ کس نے نہایت مدھم آواز میں ڈیڈی کی دفعتہ موت کی اطلاع دے دی تھی۔ وہ گہرے خواب میں دوڑتی ہوئی اندر آئی۔ دالان ہی کے بڑے تخت پر جج صاحب ابدی نیند سو رہے تھے!

ایک دہر گداز چیخ اس کے سینے سے نکلی۔ ڈیڈی۔ اور پھر وہ ان پر گر کر بے ہوش ہو گئی!۔

اسے پتہ نہیں چلا کہ اس کے پیارے ڈیڈی گھر سے کب گئے۔ گھر میں کون کون تھا؟ جب اسے ہوش آیا تو بوڑھے شرافت حسین نے اسے اپنی کمزور باہوں میں سنبھال لیا۔

کوٹھی پر بہت سے لوگ تھے۔ مگر اسے معلوم ہو رہا تھا۔ وہ کسی قبرستان میں کھڑی ہے۔ ہر طرف ہو کا عالم طاری تھا۔ آہٹ نہ آواز۔ بھیانک سناٹا۔

وہ جج صاحب کے کمرے میں باؤلی روح کی طرح پھرتی رہی۔

ڈیڈی آپ کہاں ہیں۔

ان کا بستر بچھا تھا۔ کتابیں سرہانے رکھی تھیں۔ ایش ٹرے میں ادھ جلا سگار اٹکا ہوا تھا۔ سلیپنگ گاؤن مسہری کے پائے پر پڑا تھا۔ ہر چیز میں انکے ہاتھوں کی ان کے وجود کی گرمی ابھی تک باقی تھی۔ وہ ایک ایک چیز آنکھوں سے لگا کر روئی۔ لیکن... بے سود۔ اب وہاں تھا ہی کیا۔

کوٹھی میں اس کے بہتیرے عزیز تھے۔ جنھیں اس نے اپنے باپ کی زندگی میں بس یونہی کبھی کبھار گھریلو تقریبوں پر دیکھا تھا۔ جن کا کوئی تذکرہ جج صاحب نے کبھی نہیں کیا تھا۔ نہ کوئی ان کے گھر آیا تھا۔ لیکن جواب قریبی عزیزوں کی طرح کوٹھی میں آن دھمکے تھے!۔

خالہ شمسہ تھیں۔ نہایت بھاری تن و توش کی خاتون۔ خوب سرخ و سفید۔ چاندی سونے میں لدی ہوئی۔ اپنے چار صاحبزادوں سمیت اس کی غمگساری کو نے آگئی تھیں۔ جانی لیڈی شبیر۔ بڑی پروقار بیوی تھیں۔ ان کا دعویٰ تھا کہ وہ جج صاحب کی بیوی کی بہت گہری سہیلی اور عزیز ترین رشتہ دار تھیں۔ لیکن جن کی شکل اب سے پہلے اس نے بھی نہیں دیکھی تھی!۔

وہ سب سے برگشتہ سب سے بیزار تھی۔

بلا سے یہ سب گھر میں دندنائیں۔ ایک دن تو چلے ہی جائیں گے!۔

سب کو بخوبی احساس تھا۔ وہ سونے کی چڑیا تھی۔ لہٰذا اس بے سروسامانی کے عالم میں سب ہی اسے اپنے یہاں لے جانے میں پیش پیش تھے۔

خالہ شمسہ کو یقین تھا کہ وہ اس کے ساتھ ضرور جائے گی۔ وہ اس کے ناشتہ کھانے اور شب و روز کے متعلق خاص دھیان رکھتی تھیں۔

لیڈی شبیر اس کے صدقہ قربان جاتیں۔ لیکن اسے سب کی شکلوں سے نفرت تھی یہ سب لوگ زندہ ہیں۔ زندگی کی گرمی سے بھرپور۔ چلتے پھرتے۔ اور۔ اس کے ڈیڈی وہ مر چکے تھے!۔

تیسرے دن اچانک پھپھی اماں بیگم نوازعلی خاں کوٹھی میں آئیں۔ وہ جج صاحب کی بڑی بہن تھیں۔ ان کے آتے ہی جیسے سارے جھلملاتے ہوئے ستارے ماند پڑ گئے۔ ان کو بھی اس نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا لیکن اپنے ڈیڈی کے خون کو اس نے پہچان لیا۔ ان کی شخصیت میں بھی ویسی ہی خوشبو رچی بسی تھی جو ڈیڈی کے وجود کا

صد تھی۔ وہ ان کے سینے سے لگ کر بلک بلک کے رو دی!۔ بیگم خان بھی شدت گریہ سے نیم بے ہوش سی تھی۔۔! پھر جب طوفان آہ و فغاں تھما تو انھوں نے اس کے آنسو پونچھے اور صبر کی تلقین کی!۔

بڑے صاحب کے سوئم کے بعد آدھی رات کو تدر سے فرصت ملی تو بیگم خان اسے لیکر دیپنے بھائی کے کمرے میں پہونچیں۔ منشی صاحب بھی آگئے! کمرہ بند کر کے سینے نے سکھ کی سانس لی!۔

پھوپھی اماں آہیں بھر رہی تھیں۔ ان کا شاندار حسین و جمیل چہرہ افسردگی اور صدموں کے پردوں تلے چھپا ہوا تھا۔

"منشی صاحب۔ یہ اچانک بھیا کو کیا ہو گیا تھا" انھوں نے پوچھا۔

منشی صاحب کی اندر دھنسی ہوئی زرد زرد دھندلی آنکھوں میں آنسو بھر آئے" کیا بتاؤں۔ نرجس بیٹا۔ چھوٹے صاحب کو بڑے بیٹے کی جدائی کھا گئی۔ چھ سال سے دل کے بیمار تھے۔ مجھے منع کر دیا تھا کہ ان کی بیماری کا چرچا نہ کروں۔ ان کے دل پر ورم آگیا تھا۔ چھ مہینے پہلے صاحبزادی سے پوشیدہ رکھ کر اپنا علاج کرایا تھا۔ لیکن وہ مرض لاعلاج نکلا۔ اب تو کچھ ہفتوں پہلے تمام ڈاکٹروں نے کہہ دیا تھا کہ آپ اپنی وصیت تیار کر لیں۔ کیونکہ آپ کا دل کسی وقت بھی بند ہو سکتا ہے۔ آج سے تین روز پہلے جب صاحبزادی بورڈنگ میں تھیں۔ ان کے دل میں شدید درد اٹھا۔ میں ان کے خاص ڈاکٹر کو بلا لایا۔ اس نے اچھی طرح دیکھا بھالا۔ پھر صاف صاف ان سے کہہ دیا کہ یہ آخری مرتبہ ہے۔ اس کے بعد جو دورہ اٹھے گا وہ جان لے کر ہی ٹلے گا"

ہائے نامراد ڈاکٹر۔ تیرا یہ کہیں کا" پھوپھی اماں رونے لگیں۔ یہ اس کی منحوس زبان سے یہ نامرادی کا پیغام کیسے نکلا۔ کیا سوچا ہوگا میرے بھیا نے....!

"وہ بہت دلیر تھے۔ بیگم" منشی صاحب نے کہا" کہنے لگے کہ منشی صاحب موت

برحق ہے۔ میں صرف یہ سوچتا ہوں کہ میرے بعد میری بچی کا کیا حشر ہوگا... ہاں دیکھئے اب یاد آیا۔ انھوں نے صاحبزادی کے نام ایک خط بھی دیا ہے۔ ابھی لاتا ہوں۔ میں نے اپنے صندوق میں چھپا رکھا ہے۔ اس عرصہ میں کسی کو اتنا ہوش ہی نہ تھا۔ میں مناسب وقت کا منتظر تھا۔"

"منشی چچا۔ ڈیڈی کا خط کہاں ہے؟" وہ بے چین ہو کر بولی۔

"ابھی لاتا ہوں۔ بیٹی۔ ابھی لایا۔" منشی صاحب نے کہا "ہاں تو۔ بیگم صاحب۔ جب صاحب کو یقین ہو گیا کہ وہ بچنے والے نہیں ہیں تو انھوں نے اپنے وکیل سے مل کر وصیت تیار کرا لی۔ پرسوں ساری رات، اور سارا دن نماز و تلاوت میں گزارا۔ پھر آج سے تین روز پیشتر بیگم سویرے ہی وہی جان لیوا درد اٹھا۔ دل پکڑ کر لیٹے آواز دی میں آیا۔ اور ڈاکٹر کو فون کرنے بھاگ ہی رہا تھا کہ وہ بولے۔ اب اس کا آنا بے سود ہے مجھے یٰسین سناؤ۔ وہ مجھے زبانی یاد تھی۔ میں نے آرام سے بستر پر لٹا دیا۔ پھر یٰسین شریف آدھی ہی سنا سکا تھا کہ ایک ہچکی اٹھی آئی۔ منہ سے نکلا "یا اللہ۔ میری بچی" اور پھر وہ ہمیشہ کے لیے سو گئے۔"

منشی صاحب نے بڑھا چہرہ چھپا لیا اور بھاری بھاری سسکیوں سے رونے لگے۔ پھوپھی اماں کی حالت ابتر تھی۔ ان کے زانو پر پیشانی ٹیکے وہ بھی زار و قطار رو رہی تھی۔

برج صاحب نے اپنے خط میں لکھا تھا۔

میری پیاری بچی۔ جگر گوشہ عزیز جینتی۔!!

سب سے پہلے میں تمھیں یہ نصیحت کرتا ہوں کہ کسی حال میں خدا کو نہ بھولو۔ ہر غم اور خوشی منجانب اللہ ہے۔ تم سمجھدار ہو۔ جانتی ہو کہ آدمی کی پیدائش کے بعد موت اٹل ہے۔ بیٹی۔ میں تم سے کہتا ہے کار سمجھتا تھا کہ میں بہت.... نابکار مرض میں مبتلا ہوں۔ تم سے کہتا تو تم گھبرا جاتیں۔ تم سے کیا بن پڑتا!!

میرے سارے معالج اور چارہ گر میری زندگی ہی میں مجھے موت کا پیغام
سُنا چکے! تم سے چھپا کر میں نے تمام تدابیر اختیار کیں۔ اپنے لیے نہیں، بیٹی
میں تمہارے لیے جینا چاہتا تھا لیکن اس میں بھی پروردگار عالم کی کوئی
مصلحت ہوگی کہ وہ مجھے اپنے پاس بلانا چاہتا ہے۔ بیٹی۔ میرے بعد
رونا دھونا۔ ہوش کھونا اور گرد و پیش سے ناسمجھ رہ کر اپنے آپ کو...
دوست نما دشمنوں کے ہاتھ میں کھلونا بن جانا۔ خود مرضی اور عقل سے
کام نہ لینا۔ سخت نادانی، ناسمجھی اور خود دشمنی ہے۔ تم تعلیم یافتہ،
سمجھدار اور ذہین ہو۔ میری موت و جدائی کو ناگزیر سمجھ کر اپنے مستقبل
کا نصب العین بناؤ! کاش زہرہ یہاں ہوتیں۔ انہیں دہلی سے آتے
آتے چند دن ضرور لگ جائیں گے۔ بہرحال وہ تمہاری حقیقی پھوپھی ہیں ان
کے ساتھ چلی جاؤ۔ خدا تمہیں ہر حال میں خوش و خرم رکھے۔ بیٹی۔
ہر آدمی کو منزل تک پہونچنے کے لیے متعدد نشیب و فراز سے گزرنا پڑتا ہے
فراز پر پہنچ کر مغرور نہ ہونا نشیب میں ہمت نہ ہارنا [illegible]
ایک بات اور کہتا جاؤں کہ۔ اب کسی کا دنیا میں [illegible]
ہے۔ یہ مکان۔ کالج کی ملازمت، [illegible] جائداد۔۔
اب تمہاری اور صرف تمہاری ہے۔

میری بیٹی۔ میری جینی۔ تم ایک [illegible] کی بیٹی ہو۔ جسے اپنے
نوشتہ موت پر دستخط کرتے ہوئے [illegible] خوف نہیں [illegible]
بزدلی۔ اور پست ہمتی کو اپنے وجود کے پاس [illegible] اتنا
ہی سکھاتا تھا۔ میری پیاری بچی! [illegible]
مذہب تمہارا بہترین ساتھی اور زندگی [illegible]

شریف آدمی تھا بیٹی۔ اندر اور باہر سے سچا۔ اللہ نے آخر کی بات دل میں اتار دی ہوگی۔"

"پھوپھی اماں۔ مجھے کوٹھی چھوڑتے بہت دکھ ہو رہا ہے۔"

"یہ ہمیشہ تمہاری ہی رہے گی۔ فی الحال تمہارا جانا بہت ضروری ہے بیٹا۔ ایک مرحوم کی وصیت ہے۔ دوسرے تم نوجوان ہو۔ میں نہیں جانتا یہ سب کون ہیں اور ان میں سے کسی کے یہاں جا کر تمہارا کیا حشر ہوگا... تم سونے کی چڑیا ہو بیٹی سبھی یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں اپنے آہنی قفس میں قید کر لیں۔"

جج صاحب کا خط پڑھ کر تہمینہ نے اپنے اندر ایک الوہی طمانیت محسوس کی۔ جیسے خدا ہی کے ہاتھ نے اس کے دل پر ٹھنڈا پھاہا رکھ دیا ہو۔ بار بار اس نے ایک ایک سطر بار بار ہر لفظ سے نئی روشنی حاصل کی۔ اسے اپنا مکان چھوڑنے کا افسوس اور صدمہ ضرور تھا مگر چونکہ یہ اس کے پیارے باپ کی خواہش تھی۔ وہ بخوشی ان کا حکم ماننے پر تیار ہوگئی۔

کوٹھی میں مقیم معزز خواتین نے جج صاحب کے فیصلہ سے آگاہ ہونے کے بعد ہنگامہ تو بہت مچایا لیکن بہر حال انہیں جبراً و قہراً کوٹھی چھوڑنی پڑی۔

تین ہی دن بعد کوٹھی میں الّو بولنے لگے۔ منشی صاحب اپنے آدمیوں کے ساتھ ضروری سامان ایک بڑے کمرے میں پیک اور مقفل کرانے میں مصروف رہے۔ پھوپھی اماں بیٹے بھائی کی ایک ایک چیز بکسوں میں بند کراتی رہیں۔ بڑے صاحب کی کوئی چیز انہوں نے یہاں نہیں چھوڑی تھی۔ البتہ چند لباس، کنگھا، جوتے اور لکھنے کا سامان ان کے دیرینہ رفیق اور وفادار خادم منشی صاحب کو ضرور دے دیا! جنھیں اپنے گھر کے [illegible] سے لپٹ کر انھیں اپنا دل سنائی اور [illegible]!
پھر ایک نامعلوم عرصہ کے لیے رخصت ہو کر ان سے جدا ہو گئی تھی۔

ادھر برآمدے میں پھوپھی اماں دکھائی دیں۔ دونوں کو پاس پاس کھڑے دیکھ کر بڑی مشفقانہ مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر بکھر گئی۔ پھر اشارے سے انہیں اپنے پاس بلایا۔ وہ تو بڑی شائستگی سے آئی لیکن مصطفےٰ چار چھلانگوں میں ان تک پہونچ گیا۔

کیا باتیں کر رہے تھے اس سے" دبی زبان میں پھوپھی اماں نے پوچھا

بس یہی عام سی باتیں۔ مثلاً آپ کے کتنے بچے ہیں آپ کی شادی ہوئی کہ نہیں

فضول باتیں نہ کرو۔ وہ بہت گمبھیر سنجیدہ اور خود دار لڑکی ہے۔ سمجھے تمھاری طرف سے برے خیالات قائم کرے گی۔ انھوں نے لہجہ نیچا کر کے اسے ڈانٹا۔ اتنے میں جینی بھی آ گئی۔

بیٹی تم آرام کر لیں" پھوپھی اماں نے کہا "پھر شام کو جانا مومو کے ساتھ ادھر جنگل کے پیچھے بہت اچھے اچھے باغ اور ذرا اونچا سا پہاڑ ہے تمھارا جی خوش"

جی پلیز" مصطفےٰ نے ہاتھ اٹھا کر کہا "آپ سے میری گذارش ہے کہ مجھے مومو کہنا چھوڑ دیجیے۔ ابھی یہ محترمہ بھی کہہ رہی تھیں۔ کیا اچھا لگتا ہے چھوٹوں کے منہ سے بڑوں کو مومو، اُدمو"

خدا کیلئے" جینی نے للکارا "میں نے ابھی تک آپ کا نام نہیں لیا۔ اچھا تو کیا غضب ہوا اگر اس نے کبھی کہہ دیا" پھوپھی اماں بولیں۔

اگر کوئی غضب نہیں ہے تو پھر کچھ مضائقہ نہیں!" اس نے اتنے اطمینان سے کہا جیسے کسی بڑے اہم مسئلہ کا تصفیہ ہو گیا ہو۔

سرکار۔ کونین کو نہلانے لے جاؤں" مصطفےٰ کا خادم نوکر اشرف نے آ کر پوچھا۔ "چلو میں بھی چلتا ہوں۔ پتہ نہیں ابھی تم سے کوئی شکایت رہ جائے"

مصطفیٰ نے کہا اور ملازم کے ساتھ چلا گیا۔

"کوئی بات منھ سے سنجیدگی کی نہیں نکالے گا!" پھوپھی اماں نے کہا: "بیٹی تم سے اونٹ پٹانگ، ہانکے تو برا نہ ماننا۔ ویسے وہ لاکھوں میں ایک ہے میرا ہر کہا مانتا ہے۔ کسی برائی کے قریب نہیں جاتا۔ شاید تمھیں یقین نہ آئے لیکن سچ جانو۔ بیٹی کہ وہ آج کل کے لڑکوں کی طرح سنیما بازی اور تمباکو نوشی کی لعنت سے بھی کوسوں دور ہے۔ میں تو خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتی ہوں کہ اس نے ایک ہی لڑکا دیا لیکن لاکھوں کے برابر دیا ہے۔!"

"جی ہاں۔" اس نے کچھ سوچے سمجھے بغیر لقمہ دیا۔

"مجھے یہ سن کر افسوس ہوا کہ اس نے تم سے یہ پوچھا تھا کہ تمھارے کتنے بچے ہیں شادی ہوئی کہ نہیں ہوئی۔ ایسی بکواس تم اس کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دیا کرو بیٹی۔"

جینی بے ساختہ ہنس دی۔ "وہ آپ سے بھی مذاق کرتے ہیں۔ پھوپھی اماں مجھ سے انھوں نے ایسی کوئی بات نہیں پوچھی!"

"سچ سچ؟"

"جی ہاں!" وہ ہنسنے لگی: "وہ تو بس اپنے باغ کی شان میں قصیدہ پڑھتے رہے تھے۔"

وہ بھی ہنس دیں۔

مصطفیٰ اپنی عزیز از جان گھوڑی کو نہلانے میں ملازم کا ہاتھ بٹا رہا تھا۔ ملازم نیچے سے بالٹیاں بھر بھر کے دے رہا تھا اور مصطفیٰ گھوڑی کی پیٹھ پر بیٹھا اس پر بالٹیاں انڈیل رہا تھا۔ جینی اس کی شوخی، سادگی اور بے تکلفی سے بہت متاثر ہوئی۔ آج کل کے امیرزادے تو بس ایک سرے سے بے خود دماغ ہوتے ہیں!

پھوپھی ماں دوپہر سے ظہر کی نماز تک اپنے کمرے میں رہتی تھیں۔ اس نے سوچا کہ بڑا اچھا موقع ہے۔ لائبریری سے کتاب لینے کا بہانہ کرکے جج صاحب کا وہ خط تلاش کرے جو انھوں نے مصطفیٰ کے نام لکھا ہے۔

اس کی لائبریری برآمدے کے آخری سرے پر بڑی پرسکون جگہ واقع تھی۔ یہاں بھی مصطفیٰ نے انگیسی کی جالی پر ستونوں پر اور زینہ کی مختصر سی چھت پر پتہ نہیں کون کون سی الا بلا بیلیں چڑھا رکھی تھیں۔ پورا قلعہ سبز سائے سے تاریک ہو رہا تھا۔ عجیب عجیب خوشبوئیں فضا میں چکرا رہی تھیں۔ اس نے دروازے پر پڑا پھولدار پردہ سرکایا۔ کمرہ نہایت بڑا۔ روشن اور خوبصورت تھا۔ دیواروں سے رنگین مرکیوری ٹیوب پیوستہ تھے۔ جگہ بہ جگہ ترچھے پنکھے آویزاں تھے۔ بڑی عمدہ شفاف الماریاں کتابوں سے پُر تھیں۔ کھڑکی کے سامنے اسٹیل کی بڑی سی میز رکھی تھی۔ جس پر قیمتی اسٹیشنری سجی ہوئی تھی۔ اور دو چار عدد کرسیاں تھیں۔ مگر سب جدا جدا رنگ کی۔

پردہ اس نے یونہی رہنے دیا اور سوچنے لگی کہ ان لاکھوں صفحات کو الٹ پلٹ کرکے خط کو تلاش کرنا آسان کام نہیں ہے!

پھر اسے خیال آیا کہ خط اس نے ریٹائرنگ روم ہی میں میز کی دراز میں رکھا ہوگا۔

جھلاہٹ میں اس نے پردہ برابر نہیں کیا۔ یونہی باہر نکل آئی۔

چار بجے تھیٹر سے لاؤں پر سے آنا۔ سمجھے!" مصطفیٰ کسی سے کہہ رہا تھا۔

اسے خیال آیا۔ چار بجے کے بعد وہ ڈھونڈ سکے گی! اور بڑے اطمینان سے دالان میں آگئی۔ وہ بھی وہیں آگیا۔

"سہ پہر کو میں آپ کو بے جاؤں گا سیر کرانے" اس نے کہا "لیکن ایک شرط ہے۔

گھوڑے پر چلنا پڑے گا!۔

مائیڈ ڈانگ آتی ہے مجھے" کسی قدر غرور سے جینی بولی "لیکن۔

کیا۔ لیکن؟۔

میں آپ کے ساتھ نہیں چل سکتی!۔

یقین کیجئے کہ میں نہایت شریف بچہ ہوں"

مجھے معلوم ہے" اس کے بچپن پر جل کر اس نے کہا "مگر مجھے اس وقت ایک نہایت ضروری کام درپیش ہے!۔

اچھا اچھا۔ دیکھ لوں گا۔

کیا دیکھ لیں گے۔" وہ چیخ کر بولی۔

میں کہہ رہا تھا کہ میں اکیلا چلا جاؤں گا" جاتے جاتے وہ بھی چیخ کر بولا اور موٹر پر گھر چلا گیا۔ چار بجے تک وہ اوٹ پٹانگ کتابیں پڑھ پڑھ کر اور الٹا سیدھا سوچ سوچ کر اپنا بوجھل وقت گزارتی۔ سارے گھر میں سناٹا چھایا تھا۔ تین بجے کے قریب مصطفیٰ نے اسے کھانے پر طلب کیا۔ بڑی بے زاری سے وہ طعام خانے میں آئی۔ اکیلا مصطفیٰ کرسی کے تختے پر بیٹھا دکھائی دیا۔

کیوں؟ اماں نہیں بیٹھیں" اس نے پوچھا۔

وہ صرف دو مرتبہ کھانا کھاتی ہیں۔ صبح گیارہ بجے اور بعد مغرب۔ آپ کی طرح بلیٹ.... معاف کیجئے گا۔ میری طرح پیٹو نہیں ہیں۔ میں دن بھر میں چار مرتبہ کھاتا ہوں"

برا سا منہ بنا کر وہ کرسی پر آ بیٹھی۔

اچانک مصطفیٰ اپنی سیٹ پر آ بیٹھا۔ وہ بڑی ناگواری سے اس کی حرکتیں دیکھ رہی تھی۔

لیجئے نا۔“ اس نے سالن کی پلیٹ اس کے سامنے بڑھائی۔ اور پراٹھوں
کی ڈھیری کی طرف دیکھا۔ ”مجھے پراٹھے پسند نہیں۔“ جینی نے کہا۔ ”حیدرآباد
میں رہی ہوں۔ مجھے چاول زیادہ اچھے لگتے ہیں۔“

”ہاں ہاں شوق سے۔ نوکروں کے لیے موٹے چاول پکے ہوں گے۔ میں ابھی
پکواتا ہوں۔“ اس نے بے حد شرارت بھرے لہجے میں کہا۔ ”ویسے ہم لوگ تو
بھئی۔ روٹی زیادہ استعمال کرتے ہیں۔“

اتنے میں خانسامہ بڑی تیزی سے طعام خانے میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ
میں گرم اور خوشبودار چاولوں کی قاب تھی!۔

”لیجئے بیگم“ وہ بولا۔ ”شوق فرمائیے۔ شوق فرمائیے!“

اسے بڑے سلیقے سے روٹیاں توڑتے دیکھ کر جینی اندر ہی اندر خفا ہوا
کی صورت دیکھو تو ایسی شہزادوں کی سی۔ یہ بانسری کا بانس تو ادھر سے
ادھر تک چھید ہی چھید۔ ہاتھی کے سے ہاتھ پاؤں۔ مگر حرکتیں دیکھو تو ایسی جیسی
کسی گنوار سالار کا۔ کچھ بھی تو کوئی۔ وہ اپنے مزے سے کھانا اڑایا کیا اور
سارے وقت [illegible] اس کی طرف دیکھتا رہا۔

سہ پہر کی چائے کے بعد کچھ اماں نے آ کہہ دیا کہ جینی کو کہیں سے
پریشان ہونا ہے تو ذرا ہوشیار رہنا۔

اس سے پہلے کہ میرے پیچھے بیٹھ کر میری کمر پکڑ لیں۔ اماں نے کہا۔ ”کیا آپ
نے پرتھوی راج سنجوگتا فلم کتنے شوق سے دیکھی تھی۔

”مگر میں جانے ہی والی ہوں آپ کے ساتھ“ جینی بولی۔

”نہیں جا رہیں۔ اللہ کا شکر ہے۔ لیکن۔ میں ان کی پیشانی کی لکیروں میں
مستقبل کا حال پڑھ رہا ہوں کہ میرے ساتھ جانا ان کا مقدر ہے۔“ اتنے میں

گھور کر اس کی پیشانی دیکھتے ہوئے کہا۔
کوئی ضروری تھی نہیں ہے کہ لڑکی تمھارے ساتھ جائے۔" پھوپھی اماں غصیلے لہجے میں بولیں اور اس کا ہاتھ تھام کر اپنے کمرے میں لے گئیں۔
وہ ہنستا ہوا چلا گیا۔ پھر پندرہ منٹ بعد اس نے کھڑکی سے دیکھا۔ اپنی جھیتی گھوڑی ڈریم کوئن پر بڑی شان سے بیٹھا وہ باغ کی سمت جا رہا تھا!
پھوپھی اماں سامنے والی کوٹھی کی طرف اشارہ کرکے بولیں: "وہاں ڈاکٹر تصدیق رہتے ہیں ان کا لڑکا ابرار مومو کا دوست ہے۔ ان کی ایک لڑکی تمھارے برابر ہے۔ روشنی سب پکارتے ہیں۔ ایسی اچھی بچی ہے کہ اکثر میں نے سوچا ہے کہ مومو کے لیے اس کا پیغام دے دوں... بی۔ اے کر رہی ہے۔"
بڑا اچھا خیال ہے۔ پھوپھی اماں۔
تم اگر چلو تو مل آئیں ان سے۔"
ابھی چلیے گا۔
کل ناشتے کے بعد چلیں گے!۔
وہ لوگ آپ کے پاس نہیں آئے۔
ابرار تھوڑے دنوں کے لیے بنگلور گیا ہے۔ بے چاری بچی کو مومو اس طرح پریشان کرتا ہے کہ وہ آتے گھبراتی لگی ہے۔ میں کہتی ہوں ان حرکتوں سے فائدہ کیا ہے۔ اس دن لڑکی کی چوٹی کے پھندے میں مینڈک باندھ دیا تھا! ایک مرتبہ زندہ چھپکلی اس کے پرس میں رکھ دی۔ اس بری طرح ڈرتی ہے غریب۔" وہ ناگوار انداز میں خاموش ہو رہیں۔
شادی کے بعد کوڑا ڈرا کر مار ڈالیں گے اسے۔" جینی نے کہا

"ماشاءاللہ ستائیس (اٹھائیس) سال کی عمر ہے۔" پھوپھی اماں بولیں۔ "کبھی کبھی تو اتنی شرمندہ ہوتی ہوں۔ دس بارہ دن پہلے لیڈی رفیع آئی تھیں۔ وہ بےچاری ذرا باتونی ہیں۔ بس۔ آگ ہی تو لگ گئی۔ اس کے۔ ان بےچاری کو کہیں سے ٹیلی فون کر دیا۔ ان کے میاں کی طرف سے ڈانٹ کر بولا کہ بہت بکواس کرنے لگی ہو۔ فوراً گھر آؤ۔ چھوٹا بچہ زینوں سے نیچے گر پڑا ہے۔ وہ غریب بوکھلا کر بھاگیں۔ ان کے جانے کے بعد میرے پاس بیٹھ کر۔ بہت ہنسا کہ اب میاں بیوی میں جنگ ہو رہی ہوگی!"

وہ بھی ہنسنے لگی: "سچ تو ہے پھوپھی اماں۔ بکواسی لوگ ناقابل برداشت ہوتے ہیں۔"

"ابھی تم نئی ہو۔ آگے دیکھنا۔"

"میں ان کی شرارتوں کا نشانہ بننے سے رہی۔ دیکھ لیجئے گا۔ برابر سے شرارت کر دوں گی۔"

"اچھا بی بی کچھ شوپنگ وغیرہ کرنے نہیں جاؤ گی۔؟"

کل پھوپھی اماں۔

میرے لیے بھی کچھ ساڑیاں مزلین کی اور کرتوں کے لیے ململ لیتی آنا۔

بہت اچھا۔ کیسے رنگوں کی؟۔

بیٹی۔ بالکل سفید۔

جی اچھا۔

عصر کی نماز کے بعد پھوپھی اماں صحن میں (دری) کرسی پر اپنا پنج سورہ لے کر بیٹھ گئیں۔ نوکروں نے فرش دھو دیا تھا۔ اجلا اجلا فرش بہت اچھا لگ رہا تھا۔ آس پاس سے موتیا اور گلاب کی تیز مہک چلی آ رہی تھی۔ موتیا کے گھنے جھنڈ

صاحبزادی۔ بڑا غضب ہو گیا "

کیا ہوا" وہ چونک پڑی۔

صاحبزادے گھوڑے پر سے کھڈ میں گر پڑے "

کیا !۔

جی ہاں " وہ اس طرح آگے بڑھا جیسے اس کے بوسیدہ ہاتھ کو دست کھا۔
پھر آہستہ سے بولا " سرکار کو خبر نہ لگے۔ صاحبزادے ہوش میں ہیں۔ لیکن ان
کا گھٹنا ایسا سرک گیا ہے کہ وہ سیدھے گھر سے بھی نہیں جا سکتے۔ مجھے تاکید سے
یہاں دوڑایا ہے۔ آپ سے التجا کی ہے کہ براہ کرم فوراً پہنچیے "

جیسے تو سلگ رہی تھی۔ اس نے سوچا کہ اچھا ہوا۔ دوسروں کو حیران کرتے
ہیں۔ آخر اللہ میاں کو یہ بات بری لگی۔

مجھے کیا پتہ وہ کہاں ہیں " اس نے بے رخی سے کہا۔ پھر اسے خیال آیا کہ اگر اس
نے لاپرواہی برتی تو پھوپھی اماں کو ناگوار ہوگا۔ لہٰذا اٹھ کھڑی ہوئی۔

بہت دور نہیں ہیں۔ صاحبزادی۔ آپ اگر پیدل ہی چلیں گی تو پہنچ جائیں
گی " اس نے عجلت نماز پھوپھی اماں سے بہانہ بنا کر اجازت لی اور ملازم کے ہمراہ
روانہ ہو گئی۔ دس منٹ بعد وہ ایک جھاڑ جھنکاڑ ویرانے میں پہنچ گئی۔

دور ہی سے نظر آ گیا کہ سوکھی گھاس پر مصطفیٰ پڑا ہوا تھا۔ بے چارہ اوندھے
منہ۔ گھوڑی دور کھڑی خشک گھاس پر منہ مار رہی تھی !۔

وہ جھپٹ کر قریب پہنچی۔ اور گھٹنوں کے بل اس کے پاس گر کر بے ساختہ
بولی۔

"ہوں"

اُف۔ آہ۔ مرا جاتا ہوں " اس نے کراہ کر کروٹ بدلی " شکر ہے کہ آپ

آ گئیں۔"

"کیسے گرے۔ کہاں چوٹ لگی ہے؟" جینی کو اس پر بے ساختہ ترس آ رہا تھا

"ابھی تک کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ کہاں چوٹ لگی ہے۔" وہ بولا۔

"اچھا۔ میں سہارا دے کے اٹھاؤں؟"

"شکریہ۔ سہارے ہی کا تو محتاج ہو رہا تھا۔"

"جلدی کیجئے۔ واپس چلیں۔ پھر کسی سرجن سے بینڈیج کروالیں گے" ۔ وہ بوکھلا گئی۔

"بالکل بالکل۔"

اس نے بڑی ہمدردی سے اپنا بازو سہارے کے لیے پیش کیا کہ کبھی خدا کھڑا ہو جائے۔ مصطفےٰ نے یوں بازو پکڑا کہ وہ اس کا بوجھ نہ سنبھال سکی۔ اور منہ کے بل آ گئی۔ پھر تڑپ کر سیدھی کھڑی ہو گئی۔ خجالت کے مارے چہرہ چقندر ہو گیا

"ایسے ہی دیتے ہیں سہارا" وہ بسور کر بولا۔

"کہاں کی ہڈی سرکی ہے؟" وہ دانت پیس کر گرجی۔ کیونکہ وہ تو بالکل سیدھا کھڑا تھا۔

"ہڈی؟۔ نہیں تو" وہ برا مان گیا "کیوں سرک جاتی خدا نخواستہ"

"آپ نہایت بدمعاش آدمی ہیں" وہ پاگل سی ہو گئی "میں پھوپھی اماں سے کہہ کر آپ کی گت بنواؤں گی"

"ہاتھ جوڑتا ہوں۔ ان سے نہ کہئے گا" وہ ہنسی ضبط کر کے گڑگڑایا۔

"اپنی چالبازیوں میں ملازموں کو بھی شریک کرتے ہیں" وہ بپھری ہی رہی۔" وہ اشرف خبیث دل میں کیا سوچے گا؟"۔

قدر گل و گلزار کے عاشق تھے۔ اسی قدر رنگھاٹس پھونس اور کھرسٹ لگودرست کے بھی شیدائی تھے۔ کیونکہ جس راستے پر وہ چل رہے تھے۔ اس قدر اجاڑ، منحوس، اور ویران تھا کہ وحشت ہو رہی تھی۔ سیفی ادھر ادھر دیکھتا اور تشبیہوں کے بند باندھ رہا تھا!۔

"ویرانے اپنا الگ حسن رکھتے ہیں۔ واہ واہ بھئی۔ سبحان اللہ۔ یہ نالہ دیکھ رہی ہیں آپ۔ بالکل خشک ہے۔ مگر اس خشک ریت میں جو لہریں پڑی ہیں وہ ایسی معلوم ہوتی ہیں کہ جیسے کسی حسین سر کے گھونگھریالے بال ہوں۔ ایسی نادر تشبیہیں از غیب سے میرے دماغ میں آتی ہیں تو میں پھڑک اٹھتا ہوں۔ آپ نہیں پھڑکتیں ؟؟"

"بالکل نہیں۔" جو شیلا چیخ کر وہ بولی۔ "کچھ بتا سکئے۔ آپ کہاں تک پڑھے لکھے ہیں۔ شاعری واہیات پسند ہے آپ کی۔"

"تین مرتبہ میٹرک میں فیل ہوا۔ پھر آڑھت کا روبار میں لگا دیا۔ کیا کرتے وہ بھی بے چارے پڑھاتے پڑھاتے اجیرن ہو گئے تھے۔"

"یہی تو بات ہے کہ آپ کا ذہن واہیات ہے" وہ جل گئی — اللہ کی مرضی اس نے نہایت سے ٹھنڈی سانس لی۔

"اچھا اب واپس چلیئے۔"

"آگے ایک ندی ہے ایک پہاڑ اور ——"

"مجھے نہیں دیکھنا کچھ بھی۔"

"واپسی تو بہرحال گھوڑے پر ہوگی۔"

جلیبی شل ہو چکی تھی۔ راضی ہو گئی رکاب جھک کر وہ گھوڑی پر بیٹھ گئی۔

"آہا۔ آپ تو خاصی شہسوار معلوم ہوتی ہیں" وہ خوش ہو کر بولا۔
"ڈیڈی نے مجھے رائیڈنگ سکھائی تھی!" وہ غرور سے بولی۔
کچھ دور تک ملیشا لگام تھامے چلتا رہا۔ پھر دفعتاً اچھل کر اس کے پیچھے بیٹھ گیا۔
"قسم خدا کی۔ دیکھئے۔ میں" ہانپ کر جینی بولی۔
"آپ کا مطلب ہے کہ مجھے اس جھاڑی کا کوئی سانپ ڈس لے" "کیوں۔"
اس نے گھوڑی کو ایڑ لگائی اور وہ سنسان راستے پر ہوا ہو گئی۔
"میں واپس چلی جاؤں گی۔ آپ کی حرکتیں ناقابل برداشت ہیں" جینی نے کہا "ذرا ذرا میں سانپ کیوں دکھاتا"
اس نے قہقہہ لگایا "میں جانتا تھا کہ آپ کی جاسوسی کی رگ ضرور پھڑکے گی۔ سچ کہیئے۔ خط ڈھونڈنے پہنچی تھیں نا۔"
"وہ تو میں ڈھونڈ کے رہوں گی۔"
"جناب۔ وہ یہاں ہے۔ آپ کے پیچھے۔ میرے سینے کے پاس۔ کہیں آپ!"
"کوئی زبردست وصیت ہو گی۔"
"ہے تو وصیت نامہ ہی۔ لیکن اس سے میرا مستقبل وابستہ ہے۔ آپ کا نہیں۔"
"اگر جائداد کا معاملہ ہے تو مجھے اس سے دلچسپی نہیں ہے۔"
"ایسی کوئی بات نہیں۔ دراصل ان کے پاس ان کا ذاتی ایک ہیرا تھا جس کے متعلق انھوں نے لکھا تھا کہ۔ وہ میری ملکیت ہے۔"
جینی نے اطمینان کی سانس لی "ہیرا آپ کو مبارک ہو۔ مگر ڈیڈی نے مجھے کبھی وہ ہیرا نہیں دکھایا!"
"اس کی قدر آپ کیا کرتیں۔ ڈیڈی بادشاہ تو نہیں تھے مگر جوہری تھے۔ پرکھنے

دل آنکھ رکھتے تھے۔ ان کے بعد وہ یقیناً مجھی کو اس ہیرے کا اصلی قدر دان اور وارث سمجھتے تھے۔"

"تراشا ہوا ہے؟" اشتیاق سے جینی نے پوچھا

"بالکل۔ ہیں ہزاروں اس کے پہلو رنگ ہر پہلو کا اور۔"

"مجھے بھی دکھائیے نا۔!"

"آپ اس کی چکاچوند کی تاب نہیں لاسکتیں!۔"

"ہے کہاں؟"

"میرے پاس ہی ہے!۔"

"تو پھر دکھانے میں کیا حرج ہے"

"دراصل اس سے بھی بری کچھ مایوسیاں وابستہ ہیں۔ کوئی اچھی ساعت آئے گی تو دکھا دوں گا۔"

جینی برا سا منہ بنا کر خاموش ہو گئی۔

گھر کے قریب وہ کود کر اتر گیا۔ جینی کو اس کی یہ احتیاط اور پیش بندی اچھی لگی۔ لان پر پہونچ کر وہ بھی اتری۔ اور اپنی فضول سی سیر اور احتیاط کے باوجود دھوکا کھانے پر شرمندہ سی اوپر آ گئی۔

"بیٹی کہاں چلی گئی تھیں۔"

ادھر زندی میں یہ بڑا ہنگامہ تھا۔ پھوپھی اماں۔ جل کر اس نے کہا۔ "یہی دکھانے کے لیے مصطفےٰ نے بلا لیا تھا!۔"

"یہ بھی کوئی نگوڑی دکھانے کی چیز ہے۔" وہ بڑبڑائیں۔ وہ صحن میں نکل گئیں راہداری سے مصطفےٰ آیا۔

"آپ کے منہ سے مجھے اپنا نام ہو بہو بہت اچھا لگا تھا۔" وہ شرارت سے بولا!

"بڑا واہیات سا نام ہے۔" وہ سرخ ہو کر بولا۔

"سہارا دیا تھا مجھے۔" بے ساختہ ہنس کر اس نے کہا۔ "اتنا بھی نہیں سوچا کہ اشرف کے ہوتے ہیں آپ کو کیوں طلب کرتا۔ مگر یہ سر پیٹ چلے آنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔"

"بکواس مت کیجئے۔" اس نے چہرہ پھیر لیا۔

جینی کا غم آہستہ آہستہ بہل گیا تھا۔ اپنے پیارے ڈیڈی کی یادیں پھانس تو ضرور بن کر اس کے دل میں پیوست ہو چکی تھی مگر وہ کب چاہتی تھی کہ یہ پھانس نکلے ۔۔۔ ڈیڈی، اپنے اصولوں، نیکیوں اور فرشتانہ صفات کی بدولت اس کے تخیلات میں روشنی کے مینار کی حیثیت رکھتے تھے۔ انہیں بھلا دینا ان پر ظلم کرنا تھا۔ لیکن وہ انہیں یاد کر کے اور رو دھو کے دکھ پہونچانا نہیں چاہتی تھی۔ ان کی خواہش کے مطابق وہ پھوپھی اماں کے ساتھ آ گئی تھی۔ اور اسے نہایت اطمینان تھا کہ ڈیڈی کی روح بھی اس کی سعادت مندی پر مطمئن ہو گی۔

یہاں اسے مغموم ہونے یا سوچنے کا وقت ہی نہ ملتا! پھوپھی اماں، ایسے اچھے آدمی کی بہن تھیں۔ چنانچہ وہ بھی بہت اچھی تھیں۔ ان کا دل محبتوں سے معمور تھا۔ وہ مجسم شفقت تھیں۔ یہ تو ان کے اپنے بچے تھے وہ تو نوکروں سے بھی محبت کرتی تھیں۔ اتنے تھوڑے سے دنوں میں وہ انہیں بے پناہ چاہنے لگی، کیونکہ اسے پھوپھی اماں کے چہرے میں اپنے ڈیڈی کا چہرہ نظر آتا تھا۔ وہی نورانی پیشانی، موٹی موٹی غلافی آنکھیں یا وہ محبت سے لبریز، مسکراتے ہوئے لب، وہی شفقتانہ لب و لہجہ

دیر نہ کرو بیٹی" پھوپھی اماں نے کہا۔

پھوپھی اماں میں ساڑی پہنوں کہ شلوار سوٹ ؟" اس نے پوچھا۔

شلوار سوٹ" مصطفےٰ نے قہقہہ لگایا" عجیب بدحواس فیشن ایجاد ہوئے ہیں صاحب۔ پہلے پہل میں سڑکوں پر ان گنت لڑکیوں کو شلوار سوٹ پہنے دیکھ کر بڑا حیران ہوا تھا کہ یا الٰہی یہ اتنی بے شمار ہینگیں فوج کی فوج کدھر جا رہی ہیں۔ بعد کو پتہ چلا کہ بے چاری کھیکینوں کے خاص لباس کو بھی آپ حضرات نے نہیں چھوڑا"

دیکھئے نہ پھوپھی اماں" وہ سخت روہانسی ہو کر بولی۔

سچ تو ہے۔ تم کیا کر رہے ہو یہاں بیٹھ کے" پھوپھی اماں نے مصطفےٰ کو للکارا" اگر کوئی کام نہیں ہے تو سو جاؤ پڑ کے۔ منع کیا تھا کہ لڑکی کے معاملے میں الٹی سیدھی بکواس نہ کرنا"

"بہت اچھا۔ میں جا رہا ہوں۔ دیکھتا ہوں۔ سکندر خاں صاحب نے کونسا مسالہ باریک پیا ہے کہ یونہی قیمے کے گوشے تھوپ کر رکھ دیے ہیں" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

آپ کو باورچی خانے کے معاملات میں بھی دخل ہے؟" جبینی نے حیرت سے کہا۔

جناب۔ وہ اترایا اچکا" یہ معاملات بنیادی ہیں۔ بیوی اپنی زندگی کی عمارت کے ستون یعنی کھمبے انہی معاملات پر یعنی کھانے پینے کے معاملات پر ایستادہ ہیں"

کیا لیتنے، لیتنے لگائی ہے آپ نے" وہ جھنجلائی۔

خوانخواہ آپ میرے حقوق کو پامال کر رہی ہیں" اس نے جوابی جھنجلاہٹ دکھائی۔

یہ آپ کے حقوق ہیں ؟" جبینی نے تیز لہجے میں پوچھا۔

بالکل۔کسی بڑی تقریب میں آپ نے خواتین کو دیگیں دم کرتے نہ دیکھا ہوگا۔ ہر چھوٹے بڑے معاملے میں ہماری ہی کمزور صنف آگے آگے دکھائی دیتی ہے "

" باورچی کہیں کے!" اس نے لاجواب ہو کر دھاندلی کی۔

اب تم کچھ نہ بولیں گی" اس نے فریاد بلند کی۔

" پہل تم ہی نے کی تھی۔کیوں خواہ مخواہ لڑکیوں کو بھنگیں بنایا تھا" پھوپھی اماں نے برجستہ کہا۔

پھوپھی اماں زندہ باد۔ جبینی خوش ہو کر بولی۔

تم سے انصاف کی بالکل توقع نہیں ہے۔اس سے تو یہی اچھا ہے کہ میں کونوٹ کا سالن بھی لوں" اس نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ اور اٹھ گیا۔

جبینی لباس بدل کر آئی۔ بادامی چوڑیدار پاجامہ۔ گہرا کتھئی پھولدار ہلکا پھلکا سیک اور بادامی نازک سا دوپٹہ جس کے کناروں پر کتھئی سی بیل ٹکی تھی۔ اس لباس میں وہ تو خیر بچی لگ رہی تھی۔ جیسے اکیس سال کی دوشیزہ تو معلوم ہی نہ ہوتی تھی۔ پھوپھی اماں کھل اٹھیں۔

خدا کا احسان ہے کہ بھیا نے تمہیں فیشن کی لعنتوں سے دور اور پاک رکھا ہے۔ مجھے تو لڑکیوں پر بل باٹم سوٹ، اور مردانہ قمیص پاجامے بالکل اچھے نہیں لگتے۔ تمھاری زشکنی کے خیال سے کہا نہیں تھا۔ اب دیکھو آئینہ میں۔ کتنی پیاری لگ رہی ہو "

" مجھے یہ نئے وضع کے لباس خود بھی پسند نہیں "

" بڑی اچھی بات ہے۔! آؤ چلیں۔ ادھر باغ کی راہ سے اتر جائیں گے

مینیجر وغیرہ لاکھ ایماندار اور بھروسے کے قابل ہوں۔ لیکن ان کی نگرانی حساب کتاب لین دین تو کرنا پڑتا ہی ہے۔"

جینی نے دل ہی دل میں سوچا۔ واپس جاکر وہ اس سے خوب جھگڑا کرے گی کہ تو سو کھا منہ بنا کر کہا تھا۔ میٹرک فیل ہوں۔ مگر اتنے تعلیم یافتہ ہو کر ایسی حرکتیں بچوں کی سی۔!

"وہ دیکھو روفی اپنے گیٹ پر کھڑی ہے" پھوپھی اماں نے اشارہ کیا انہیں دیکھ کر ایک لڑکی روش پر بھاگتی ہوئی آئی۔ اور پھوپھی اماں کے گلے لگ گئی۔

"اللہ۔ ممی اتنے دنوں بعد میری یاد آئی" اس نے شکوہ کیا۔

انہوں نے اس کی پیٹھ پر تھپکی دی۔ "بیٹی میں یہاں تھی نہیں۔ میرے چھوٹے بھائی کا انتقال ہو گیا تھا۔ میں حیدرآباد چلی گئی تھی۔ ان سے ملو، یہ جینی ہے۔ میرے بھائی کی لڑکی۔ اسے بھی تم سے ملنے کا بہت اشتیاق تھا۔ اور تو گھر پر سب اچھے ہیں۔"

"اندر چلیے نا" اس نے جینی کا ہاتھ پکڑ لیا اور سر سے پاؤں تک دیکھتی ہوئی بولی "آپ بہت اچھی لگ رہی ہیں"

"اچھا؟" جینی ہولے سے مسکرائی۔

وہ سب کو اندر لے گئی۔ بڑا صاف ستھرا مکان تھا۔ شفاف سا صحن۔ ہوادار برآمدہ۔ روشن روشن سے دالان۔ روفی نے انہیں برآمدہ میں بٹھایا۔

"ابرار نہیں آئے ابھی تک؟" پھوپھی اماں نے پوچھا۔

"بنگلور سے مدراس چلے گئے ہیں۔ کسی دوست کی بہن کی شادی میں

دو تین روز بعد آئیں گے ۔“ روفی نے کہا پھر بولی ۔ ”ممی یہ آپ نے بہت اچھا کیا کہ انھیں بھی لے آئیں ۔ اب میں اتنی وقت زدہ نہیں رہا کروں گی ۔ اچھا میں کچھ پینے کے لیے لاؤں ۔“

رہنے دو بی بی ۔ ہم کھا پی کے آئے ہیں ۔ میں تو جینی کو تم سے ملانے لائی تھی ۔ اب تم دونوں باتیں کرو ۔ مجھے جانے دو ۔

آپ آیئے نا ہمارے یہاں ۔ جینی نے روفی سے کہا ۔

ارے ۔ یہ کیا آپ جناب کرنے لگیں ۔“ روفی ہنس دی ۔ ”مجھے خود سے جدا سمجھ رہی ہو ۔ مجھے ۔ میں تو تمھیں ہرگز آپ کہہ کر مخاطب کرنے والی نہیں ۔“

ہاں ہاں ۔ اب آپس میں بے تکلفی برتو ۔ ہم عمر ہو ۔ ہم مذاق ہو ۔“ پھوپھی اماں نے بھی رائے دی ۔ ”غیروں کی طرح کیوں ہو ۔

اب تو تم ہمیشہ یہیں رہو گی نا ۔ زینت ؟“ روفی نے پوچھا ۔

ہمیشہ ؟ ۔ جینی کو اپنا نام اس کے لبوں سے بڑا اچھا لگا ۔

اللہ کس طرح چونکتی ہے موئی سے ۔“ روفی نے حیرت ناک انداز سے دونوں ہاتھ اپنے گالوں پر رکھ لیے ۔ پھوپھی اماں انھیں باتیں کرتے چھوڑ کر اٹھ گئیں ۔

جینی کو بہت ہنسی آئی ۔ ”ناک میں دم کر دیا ہے انھوں نے ۔ لیکن بھئی لندن مذاق نہیں کرتے ۔ بچوں کی سی معصومیت ہوتی ہے ۔ ان کی شرارتوں میں ۔ اگر وہ آج کل کے سے ہیرو ٹائپ ہوتے تو منٹ بھر کو بھی میں یہاں نہ ٹکتی ! ۔ مگر کیا تم صرف انھی کی وجہ سے ہمارے یہاں نہیں آؤ گی ؟“

مجھے تو فرصت ہی نہیں ملتی ۔ جینی ۔ حتیٰ کہ میں گھر کی مصروفیات کی وجہ سے ایم ۔ اے نہ کر سکی ۔ ادھر پپا کے پرائیوٹ مریض رہتے ہیں ۔ مجھے

"آپ جیسے میرے پاپا ویسے ..." روبی جلدی سے بولی۔

"بالکل بالکل۔ اب تمہیں اپنے ڈیڈی کی کمی محسوس نہ ہوگی۔ بیٹی"۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا۔ اور بڑی سنجیدگی سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ جینی نے اندر اندر اپنے آنسو پی لیے۔ شکریہ تک ادا نہ کر سکی!۔

ذرا ہی سی دیر بعد یوں محسوس ہونے لگا جیسے وہ برسوں سے ان لوگوں میں رہتی آئی ہو۔ روبی مجسم محبت تھی۔ مجسم محبت نکلی۔ جینی بھی خوش تھی۔ ڈاکٹر صاحب کھانے کے بعد آرام کرنے چلے گئے۔ روبی اسے اپنے ساتھ گھر دکھانے لے گئی۔!

"یہ بڑا کمرہ امی کا ہے۔ اس میں وہ رہتی تھیں۔ اب میں رہتی ہوں۔ مجھے بہت سکون ملتا ہے ہر طرف ان کی مہک ملتی ہے۔ ہر جگہ ان کا وجود نظر آتا ہے۔ یہاں آنے کے بعد میں امی کی کمی بھول جاتی ہوں۔ اچھا کمرہ ہے نا؟"

"بہت اچھا ہے!"

اور وہ ایکسی کے پاس بھائی جان کا کمرہ ہے۔ آؤ دکھاؤں۔!

بھائی جان بزنس مین ہیں!۔

ہاں!۔

روبی نے کمرہ کھولا۔ بہت سجا سنوارا کمرہ تھا۔ ہر چیز قرینہ سے لگی تھی۔ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے دیوار پر ایک بڑی سی تصویر آویزاں تھی! صورت شکل سے نہایت سنجیدہ آدمی لگ رہا تھا۔!

انہیں شعر و شاعری کا اتنا شوق ہے کہ توبہ بھلی۔ روبی نے کہا

۔ اگر تم سے متعارف ہوئے اور پتہ چلا کہ تم بھی اس مرض میں مبتلا ہو کہ اچھے شعر پر شعر ٹھنی ہو تو پھر اشعار شناسی تمہارا دھڑکس نکال دیں گے ہر بات پر انہیں کوئی واقعہ یاد آ جاتا ہے۔ مخاطب کو بولنے نہیں دیتے ان سے بے تکلف نہ ہونا ورنہ جان کھا جائیں گے"

جبیں ہنسنے لگی "تم کیسے برداشت کرتی ہو"

میں نے ان کے مرض کا دفیعہ تلاش کر لیا ہے۔

کیا کیا ہے۔

" وہ اشعار کی مٹی پلید ہوتے نہیں دیکھ سکتے"! ان کے سامنے ایک دن میں نے یہ شعر پڑھ دیا تھا۔

کاغذ کی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا۔!
تو شاہین ہے بسیرا کر پہاڑ دل کی چٹانوں میں

بس اس وقت سے انہیں جو چپ لگی ہے تو آج تک لگی ہے کہ میرا دماغ بھی درست ہے۔" جبیں ہنس پڑی "ہمارے تمہارے نصیب میں ایسے ہی مجیب العقول بھائی بند لکھے ہیں۔ ادھر وہ پورا عجائب خانہ ہیں ادھر یہ مکمل انسائیکلو پیڈیا۔!

روبی کو ہنسی آ گئی "ان حضرت نے ممی کے پیچھے چلا کے باوجود گھر کو اچھا باغ کر رکھا ہے۔ ایک دن میں نے گلاب کا پھول توڑ لیا تھا۔ خدا کی پناہ۔ مارے انتقام کے موصوف نے میری چوٹی میں مینڈک کا بچہ باندھ دیا تھا۔ مگر میں نے ہار نہیں مانی۔ گھر آتے آتے اس کے سارے گلاب توڑ لائی اور پھر ڈر کے مارے آج تک اس کے گھر نہیں گئی۔ کیا پتہ کس طرح ڈرا دے مجھے"

"صاحبزادے احمد مصطفےٰ"۔ اس نے بڑے غرور سے کہا۔

"آپ غلط سلط باتیں بھی بکتے ہیں۔" اس نے یاد کر کے حقارت سے کہا۔

"ہم بس بھولے ہی سے جھوٹ بولتے ہیں۔

مجھ سے بک دیا تھا کہ میٹرک میں تین مرتبہ لڑھکا ہوں۔ پھوپھی اماں نے سچی بات مجھے بتا دی۔

"ارے پھوپھی اماں کی کیلی چلائی۔ اب وہ بے چاری اپنے منہ سے اپنی اولاد کی توہین کیا کرتیں۔ ایرے غیر دل کے سامنے یونہی انٹ سنٹ اڑا دیا کرتی ہیں۔"

"ارے ارے۔ آپ کے منہ میں لگام ہے کہ نہیں۔ آپ پھوپھی اماں کے متعلق یہ کہہ رہے ہیں کہ انٹ شنٹ اڑاتی ہیں۔"

"کیوں مجھ پر طوفان جوڑتی ہیں آپ۔ بھلا میں اپنی ممی کی شان میں اس قدر نازیبا الفاظ کہوں گا۔ خدا کی پناہ؟"

"میں تو ہرگز آپ سے سر نہیں پھوڑ سکتی۔" اس نے تھک کر سر تھام لیا۔ "یہ تو دفنا کر آپ کا کٹھیک کرے گی۔"

"مجال ہے اس کی ٹانگ کھا کر چھت پر پھینک دوں گا۔

"اچھا اچھا دیکھیں گے۔" وہ بولی۔ "پھوپھی اماں کی یہ ... ہے کہ اسے آپ کے سر چپکا دیا جائے۔ گن گن کر وہ بدلے چکائے گی۔ میں بھی اسی کا ساتھ دوں گی۔!"

مصطفےٰ نے قہقہہ لگایا۔ "کلیجہ تھام کر روئے گی عمر بھر۔"

"اب تو میں پھوپھی اماں سے کہوں گی کہ جلد از جلد اسے چلائیں۔ پھر دیکھوں گی کہ کلیجہ تھام کے وہ روتی ہے کہ آپ؟"

کہیں تک نہیں بیٹھے"۔ الی نے آہ بھر کر کہا "سرکار صبح و شام اس جگہ اسی
کرسی پر آکر بیٹھا کرتے تھے۔ میں ان کی خدمت میں حاضر رہتا تھا۔ انہیں کی
صحبت میں رہ کر بولنا آیا ہے"

"اچھا بابا ہم پھر آپ سے باتیں کریں گے۔ اب ہم جائیں" مشتاق نے
کہا۔ "جاؤ بیٹا جاؤ۔ اللہ کے حفظ و امان میں جاؤ" بوڑھا دعائیں دیتا
ہوا چلا گیا"

"اگر کوئی خاص کام نہ ہو تو اٹھیئے"

"دل بوجھل سا ہے۔ جبینی نے کہا۔

"میرا دل بھی بہت وزنی ہو گیا ہے اسی لیے چاہتا ہوں کہ کہیں گھوم
پھر کر ہلکا کر لیا جائے"

"کہاں جائیے گا؟" جبینی اٹھ گئی اور لباس کی شکنیں درست کرنے لگی۔ "جہاں
لے چلیے گا" وہ مسکرایا۔ "یہ تو آپ کا شہر ہے۔ میں یہاں اجنبی ہوں۔"

"اگر میں رہبری کی بجائے راہ سے بھٹکا دوں تو۔؟" دونوں ہنسی [illegible]
"بھٹکے ہوئے مسافر بھی کبھی راہ سے لگ ہی جاتے ہیں!"

"اچھا بھروسہ ہے آپ کو مجھ پر۔؟"

"بالکل نہیں۔ مجھے ہنسی آ رہی ہے آپ کی سادگی پر۔"

"کیوں؟"

"یہ ڈرامائی راستہ بنا کر آپ سمجھتی ہیں کہ آپ نے میری رہبری کی ہے۔
لیکن جن گلیوں میں آپ کو ہمیشہ چلنا ہے۔ ان کا رہبر تو [illegible]"

"کیا مطلب؟" جبینی چونکی ہو کر اس نے پوچھا۔

"مطلب تو مجھے بھی نہیں معلوم۔ ہمیشہ بدلنے کے بعد [illegible]

کبھی یہاں بادشاہ کا دربار لگتا ہوگا۔ درباری دست بستہ ہاتھ جوڑے کھڑے رہتے ہوں گے۔ انصاف دنیا انسانی کے مقدمے اور فیصلے ہوتے ہوں گے۔ رقص و سرود کی محفلیں منعقد ہوتی ہوں گی۔ . . دربار شاہی میں شعر و نغمے کی تانیں گونجتی ہوں گی۔ محمد قلی اردو شاعری کا پہلا صاحب دیوان شاعر بھی تو تھا۔ کیا بات کہی ہے اس نے بھی ؎

پیا باج پیالہ پیا جائے نا
پیا باج یک تل جیا جائے نا
پیا بن کہے تے صبوری کروں
کہا جائے اما کیا جائے نا!

انسان ہمیشہ سے پیاسا رہا ہے۔ اسے بہت کچھ ملا ہے پھر بھی انسان کسی چیز کے لیے بے قرار رہا ہے۔ کیا چیز ہے وہ۔ جو آدمی کو نہ مل سکی۔ آدمی تشنہ کیوں ہے۔ چاہے بادشاہ ہو کہ شہنشاہ۔ وہ بھی کیوں بے چین رہا ہے۔ آہ۔ ہر طرف فنا کی گرم بازاری ہے۔ ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں۔ ان کھنڈروں میں بھی کبھی جشن ہوئے ہوں گے۔ آج وہ چشم زہرہ کے لیے عبرت و حسرت کا سامان ہیں!

ادھر پہاڑیوں پر بادشاہ کی دو رقاصاؤں تارامتی اور پریمتی کے محل ہیں۔ جینی نے بتایا۔ ان کے محل سے بالا حصار تک آہنی تار کھنچے ہوئے تھے۔ رقاصائیں تاروں پر سے رقص کرتی ہوئی اپنے اپنے محلوں سے بالا حصار تک آتی تھیں۔ آپ اوپر نہیں چلیں گے؟

چلوں گا۔ دیکھ رہا ہوں یہ سنگی طویل زینہ۔ یہی زینے اوپر جاتے ہیں؟

جی ہاں۔

انھیں ان کے ساتھ چلنا ہے تو وہ فرطِ مسرت سے گنگ ہو گئے۔

"آپ سب کی بہت خدمت کر چکے ہیں۔ اب آپ بقیہ زندگی آرام کیجیے
پھر ہمیں بھی اپنی خدمت کا موقع دیجیے۔"

منشی صاحب اظہارِ تشکر میں آبدیدہ ہو گئے تھے۔ مسٹر تیواری سے مل کر
مصطفیٰ نے ضروری بندوبست کر لیا۔ تیواری بہت شریف آدمی تھے۔ انھوں نے
وعدہ کیا کہ جتنے مکان، گیراج اور کاٹیج وغیرہ ہیں ان کی وقتاً فوقتاً نگرانی کرتے
رہیں گے اور سب کا ششماہی کرایہ انھیں بھجواتے رہیں گے۔ چلتے چلتے جینی نے
مالی بابا کو اپنے ڈیڈی کے کپڑے اور نقد رقم دی۔ تیواری صاحب کا بہت بہت
شکریہ ادا کیا۔ اور اپنے بھیا کے گھر کی ایک ایک دیوار و در سے مل کر رخصت
ہو گئی۔ منشی صاحب ساتھ چلے گئے۔

ایک دانشمند اور ذمہ دار خاتون کی طرح اب آپا بی اماں کو جینی زیادہ عزیز
ہو گئی تھی۔ اس کے والدین زندہ ہوتے تو وہ اتنی شدت سے اس کا اہتمام
پرخلوص نہ کرتی۔ لیکن اب تو ایک جوان بیٹی کی سرپرستی کا احساس ہی
ان کی راتوں کی نیندیں حرام تھیں۔ جینی کا اکیسواں سال تھا۔ ان کی اپنی شادی
تو چودہ برس کی عمر میں ہو گئی تھی۔ زمانہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا تھا۔ لڑکیوں کی
تعلیم ان کی شخصیت کا لازمی اور ضروری جز بن چکی تھی۔ سو یہ خیال اکثر بی
اماں کے دل سے دب جاتا۔ کیونکہ جینی کا تعلیمی کیریئر بھی بہت شاندار تھا۔ اور چند دنوں
میں اس کا رزلٹ آ جاتا۔ قطعی زندگی کا سیاہ دھبہ نہ ڈالنے والی تھی۔

کہ اس کی آج ہی ڈولی اٹھادی جائے نہ صرف یہ غضب ہے کہ یہاں اچھے رشتے کا پتہ نہیں ۔

"نرجس بیگم ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔"

"کہیے کہیے۔"

آپ صاحبزادے کے متعلق کیوں نہیں فرماتیں ۔ جینی بٹیا کہیں اور کیوں جائے آپ ایسی محبت کرنے والی بیوی اس کے سر پر اللہ رکھے قائم دائم رہیں!"

کچھ کچھ اماں نے مایوسی کی ٹھنڈی سانس لی " مجھے پتہ ہوتا تھا کہ حالات ایسی کروٹ لیں گے تو موقع کی میں بات ہی نہ چلاتی ۔ تم نے پرسوں نرسوں ڈاکٹر صاحب کی بچی اکو دیکھا تھا ۔ مجھے وہ ایسی گڑیا ایسی لگی ۔ میں نے ڈاکٹر صاحب سے کہہ دیا تھا کہ اسے مصطفےٰ کو دے دیجئے ۔ انھوں نے جواب میں کہا تھا کہ بن ماں کی بچی ہے آپ ہی اس کی ماں ہیں ۔ جو چاہیے کیجئے ۔ اب وہ مودو پر بھروسہ کئے بیٹھے ہیں ۔ اپنی لڑکی کا دوسرا رشتہ بھی تلاش نہ کریں گے ۔ مجھے یہ وعدہ خلافی اچھی نہیں لگتی کہ انھیں زبان دے کر مکر جاؤں "

"بہت بری بات ہے " منشی صاحب نے تائید کی " اگر ایسا نہ ہوتا تو صاحبزادے کے سوا بھلا کس کا رشتہ دیکھا جاتا ۔؟"

میں بھی زینت کو اپنے سے دور نہ کرتی ۔ اب تو خود ہی ہاتھ پاؤں کاٹ کے بیٹھ گئی ہوں "

"خیر بیگم آپ پریشان نہ ہوں ۔ اللہ مالک ہے "

" ایک بی ماشاطہ آتی تھیں ۔ انھیں میں نے یہ کہہ کے منع کر دیا کہ یہاں اب کسی کا رشتہ ناطہ ہونے والا نہیں ہے ۔ آپ نہ آیا کیجئے ۔ سو اب وہ بھی نہیں آتیں "

صاحبزادے ہیں کیئے آخر بڑے بھائی کا درجہ رکھتے ہیں ۔ اپنے دوستوں

ہیں دیکھیں صاحبزادے۔" ذرا جل کر اور بگڑ کر پھوپھی اماں بولیں "صاحبزادے ہی اس قابل ہوتے کہ بہن کا پیغام لائے تو پھر رونا کس بات کا رہ جاتا۔ انہیں گھاس پھونس، ڈنگا نے اور گھوڑی وہ مفت خورے کی گھوڑی ہی کے ناز کرنے سے فرصت نہیں تھی!"

"ہاں نہایت سمجھدار، باادب، تہذیب۔ میرے تو رونگٹے رونگٹے سے ان کے لیے دعائیں نکلتی رہیں۔ میں بڈھا آدمی آپ سب سے اتنی دور پڑا تقدیر کو رو رہا تھا۔ انھوں نے مجھے ایسا آرام دیا ہے کہ سچ کہتا ہوں۔ بیٹا نرجس، میں گویا جنت میں ہوں جیتے جی۔"

"آپ کا حق اس نے آپ ادا کر دیا۔ کچھ کم تھوڑے ہیں آپ ہمارے لیے۔"

ان میں موضوع بدل گیا۔ ادھر ادھر کی داستانیں اور ماضی کی کہانیاں چھڑ گئیں۔ چھوٹا سا چمن رشک ارم بنا ہوا تھا۔ مخملی گھانس گویا ایرکنڈیشنڈ ہو گئی تھی۔ آس پاس سے طرح طرح کے پھولوں کی ملی جلی مہک، دلوں میں اچھوتے جذبے جگا رہی تھی۔ حوض کے پانی پر فوارہ سچے موتی اچھال رہا تھا۔ ان کا ترنم اپنا علیحدہ حسن رکھتا تھا۔

چاند ان کے سروں پر اپنی روپہلی کرنیں نچھاور کر رہا تھا!

بڑا سحر انگیز موسم تھا!

مصطفیٰ اپنا خوبصورت ٹرانسسٹر اٹھا لایا تھا۔ جانی پہچانی نغمہ باز آوازیں اپنا جادو جگا رہی تھیں۔ نینی تکیوں کی کمر پاس سے ٹیک لگائے کبھی کوئی گیت سنتی اور کبھی چاند کو تکنے لگتی! مگر جب ٹرانسسٹر سے گیت ختم ہوئے اور ناٹک پروگرام بھی مصطفیٰ اسی انہماک اور دلچسپی سے سننے لگا تو نینی کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر سوئچ آف کر دیا۔ اور ٹرانسسٹر اٹھا کر اپنے پاس رکھ لیا۔

"یہ تو اچھی خاصی زبردستی ہے" مصطفیٰ نے احتجاج کیا۔

کچھ کچھ ذہن میں آ رہا تھا؟" جینی نے اسے ڈانٹ دیا۔
"کم از کم ریڈیو والوں کی دلشکنی نہیں کرنی چاہیے۔ اتنی محنت سے وہ پروگرام پیش کر رہے ہیں۔"
"ہاں اندر دیکھ بھی رہے ہیں کہ آپ کی دلشکنی تو نہیں کر رہے!"
"ایک پردہ نشین محترمہ تھیں۔ وہ ریڈیو پر غلاف ڈھانپا دیتی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ تھوڑے سے مرد ننھے ریڈیو کے اندر بیٹھ کے گا رہے ہیں۔"
جینی ہنسی۔ "میری دادی اماں نے بھی ایک دفعہ یہ سن کر کہا تھا کہ اسے کپڑے سے بچاؤ۔"
"آپ کو گانے بجانے سے دلچسپی نہیں ہے۔" مصطفےٰ نے پوچھا۔
"کیوں؟"
"یونہی پوچھا تھا۔ جو لوگ گیت یا قوالی سن کر سر دھنتے ہیں وہ مجھے اوّل نمبر کے احمق لگتے ہیں۔ یہ بھی کوئی عقلمندی ہے کہ ایک صاحب حلق پھاڑ رہے ہیں دوسرے ناچ رہے ہیں۔"
"بس رہنے دیجئے کوئی سن لے تو کس قدر برا مانے۔" جینی بولی۔ "ابھی جو کان لگائے ٹھمری کی نے سن رہے تھے وہ کچھ نہیں؟"
"میں اوروں کی بات کر رہا تھا اپنی نہیں۔"
"آپ کے شوق کون سے بڑے حسین ہیں۔ دن بھر ہرا بھٹ زمین کرایا کرتے ہیں۔ اس سے فرصت ملی تو اس کتابی گھوڑی کے نخرے شروع کر دیئے۔ توبہ۔ یہ بھی کوئی مشاغل ہیں۔ کبھی کوئی سنجیدہ کتاب یا ناول پڑھتے آپ کو نہیں دیکھا۔"
"وہ بلند آواز میں مضامین پڑھنے سے بڑھ کر غیر دلچسپ اور بے تکی چیز دنیا میں آج تک پیدا نہیں ہوئی۔ وہ بھی۔ کوئی سستی کتاب ہاں اور اسے ماتھے سے چپکا کر

کونے میں بیٹھ گئے۔ لیجئے صاحب۔ دنیا مانیہا ہیں گئے۔" لاحول ولاقوۃ،
مجھے موقعہ ملے تو میں دنیا کی ساری کتابیں گھول کر پی جائیں۔
سالم ڈکشنری بن کر رہ جائیں گی۔" مصطفےٰ نے کہا۔" ایسا ارادہ کبھی نہ کیجئے گا۔
ارے کچھ ہوتا بھی کیا ہے ناولوں میں۔ کسی صاحب کے دماغ میں کوئی جھوٹا سچا قصہ
کلبلایا اور وہ دنیا کو بور کرنے کے لیے قلم کاغذ لے کر بیٹھ گئے۔ چلیے جناب یہ بھاری بھرکم
ناول تیار ہوگیا۔ اور آگے بڑھیئے کسی صاحب کے دماغ میں وزن اور بحر کے کیڑے
رینگے اکفول نے دیوان پر دیوان لکھ کر شاعری کے انبار کھڑے کردیے۔!"
کیا کیا؟" جینی بیتاب ہو کر چیخی۔" تو آپ کی نظروں میں بڑے بڑے ناول نگار،
یہ اپنے نذیر احمد، پریم چند، عصمت چغتائی، علامہ اقبال، میر و غالب اور بڑے
بڑے شاعر سب یونہی ہیں۔ بیکار۔ ان کی کوئی اہمیت نہیں؟"
ہوگی صاحب۔ میں پوچھتا ہوں۔ غالب کے اشعار کی تشریح کرکے دنیا کو کیا
ذمہ دہ پہونچا یا یہ آپ کے ورڈز ورتھ، شکسپیر۔ لارڈ بائرن، گوئٹے، کیٹز اور،
اور اللہ آپ کو بقدر عقل نیکی دے۔ فرائیڈ، یونگ، ایڈلر یا سارتر، پکاسو۔
یہ سب فلاسفر، مصور اکفول نے کیا کارنامہ انجام دیا اگر کچھ لکھ پھینکا۔ ورڈز
ورتھ کی نیچر پسندی پر آپ لٹو ہیں۔ میں نے اتنا اچھا باغ اگایا ہے آپ اسے
گھانس پھونس کہتی ہیں۔"
آپ نرے جاہل ہیں آپ سے بکواس کرنا اپنی عقل کا ماتم کرنا ہے۔" جینی
تڑپ کر بولی۔
"ادھر لایئے میرا ٹرانسسٹر۔ میں مزے میں تلنگی گیت سن رہا تھا خواہ مخواہ
آپ ہی نے مجھے چھیڑا ہے۔" وہ بھی بگڑ گیا۔
یہ کوئی بڑی اچھی باتیں ہیں جو آپ کر رہے ہیں۔"

"نہیں جناب۔ اونچی باتیں تو آپ کر رہی ہیں۔ چند موٹے موٹے نام لوگوں کے کیا رٹ لیے ہیں کہ رعب جمانے لگیں"

دفعتہً پھاٹک کے پاس سے کسی نے پرمسرت آواز میں بانگ لگائی۔

"ہو ہو"

"آ گیا۔ شاعروں کا نادا۔ اب میں مر جاؤں گا بن موت" مصطفےٰ بڑبڑایا پھر آواز بڑھا کر بولا "ابے کہاں ہضم ہو گیا تھا۔ اتنے دنوں سے۔ آ جلدی سے"

جبینی حیرت سے دیکھتی ہی رہ گئی۔ وہ آیا اور مصطفےٰ پر گر کر اس سے لپٹ گیا اس کے پیچھے رونی بھی تھی۔ تبھی جبینی سمجھ گئی کہ وہ اس کا بھائی ابرار ہوگا۔ دونوں گلے مل کے الگ ہوئے تو خواہ مخواہ ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنسنے لگے! رونی سہمی ہوئی جبینی کے پاس گئی۔ نہ مصطفےٰ نے جبینی کا تعارف کرایا اور نہ ابرار نے پوچھا۔

تمہارا کام ٹھیک ٹھاک ہو گیا!" مصطفےٰ نے پوچھا۔ جواب میں ابرار نے سبزے پر پاؤں پھیلا دیے۔ آہ بھری اور عرض کیا ے

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے

ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

حالانکہ ایک ہاتھ میں ہزاروں ہٹو رلاتے ہوئے" مصطفےٰ نے آنکھ دبا کر کہا۔

ادھر ہی سے تو شادی میں گیا تھا" ابرار بولا "وہ واقعہ یہ ہے کہ۔ یار یہ جہیز نہ لینے کا جو آرڈیننس جاری ہوا ہے نا۔ وہ سیٹھ صاحب دھر لیے گئے۔ سارا جہیز جو لڑکی کو دے رہے تھے ضبط ہو گیا۔ بڑی مشکل سے جان چھوٹی۔ صرف نکاح پر محفل برخاست ہوئی۔ سیٹھ صاحب نے یوں اطمینان کی سانس لی جیسے کہتے ہوں کہ دلے بخیر گذشت میرا تو سارا وقت ضائع ہو گیا وہی بات ہوئی کہ نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم نہ ادھر کے رہے نہ ادھر رہے"

"مجھے جینی کا ڈاکٹر صاحب کے گھر میں رہنا پسند نہیں ہے۔ ممی" ایک دن مصطفےٰ نے اپنی ممی سے کہا۔

وہ کچھ فکر مند سی تھیں۔ تخت پر بیٹھی چپکے چپکے وظیفہ پڑھ رہی تھیں ایک نظر اس کے روٹھے ہوئے منھ پر ڈالی اور پھر سر جھکا لیا۔

"آخر اس کا دل یہاں کیوں نہیں لگتا!؟" مصطفےٰ نے کہا۔

"کس چیز میں لگے" پھر بھی اماں چپٹ پڑیں "تم سے وہ دہائی مانگتی ہے مجھ بوڑھی سے کیا باتیں کیا کرے گی۔ اب تو وہ صنعتی ادارے میں داخلے کی کوشش کر رہی ہے۔ گھر ہی پر نہ رہے گی۔ کل تم نے اس کے ساتھ بڑی خراب حرکت کی"

"کیا کیا میں نے؟" تڑپ کر وہ بولا۔

"مردہ چوہا رکھ دیا اس کے پرس میں۔ بے چاری کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی۔ چلی گئی رونی کے ساتھ کپڑے خریدنے۔ وہاں قیمت دینے کے لیے پرس میں ہاتھ ڈالا تھا۔ ٹھنڈا مردہ چوہا اس کے ہاتھ میں آگیا۔ اس بری طرح ڈر کے چیخی ہے اور چوہا نکال کے دوکاندار کے منھ پہ پھینکا۔ ہڑبونگ مچ گیا ساری دوکان میں۔ میں پوچھتی ہوں۔ تم نے لڑکی ذات کا پرس کھولا ہی کیوں تھا۔؟!"

ہنسی ضبط کرنے کی کوشش میں مصطفےٰ کا چہرہ سرخ ہو گیا "کیا سچ مچ۔ ممی۔ چوہا نکلا تھا۔ یہ لڑکیاں اپنے پرس میں کیا الا بلا لیے پھرتی ہیں۔ آپ تو دیکھتی ہی ہیں کہ میں کتنا نیک بچہ ہوں۔ آپ نے جب سے منع کیا ہے کہ تم لڑکے ذات ہو اور لڑکی ذات کے آس پاس بھی نہ پھٹکا کرو۔ میں لڑکی ذات کے قریب تک نہیں پھٹکتا!"

"مجھے یقین ہے کہ تم اس بڑھاپے میں مار کھاؤ گے" وہ اپنی ہنسی کو کھانسی میں چھپا کر بولیں "اتنے بڑے ہو گئے ہو عقل نام کی کوئی چیز پاس نہیں۔ ارے وہ بڑی سنجیدہ بچی ہے۔ کیا سوچے گی تمھارے متعلق"

آپ میری بات کا جواب دیجیے۔"

کون سی انگوٹھی بات ہے۔ جس کا جواب چاہتے ہو؟"

"میں چاہتا ہوں۔ جینی اتنی دیر تک پٹھان بیگم کے گھر نہ رہا کرے!"

وہ کل کہہ رہی تھی کہ مومو کا یہ مطلب ہے میں اس کے گھر میں نہ رہوں لہذا وہ وہیں ادارے کے ہوسٹل میں بندوبست کرے گی۔"

آپ نے مجھ لڑکے ذات کا ہوسٹل میں رہنا گوارہ نہیں کیا تھا لڑکی ذات کو کیسے اجازت دے دیں گی۔"

چپ رہو۔ یہ کیا ذات ذات بکے جاتے ہو۔" وہ بگڑیں۔ "اتنا تم نکھٹو سے نہ ہو گا کہ اپنی حرکتیں چھوڑ دو۔ اس سے چھ سات سال بڑے ہو۔ تمہیں بہت زیادہ سنجیدہ مہذب اور باوقار ہونا چاہیے!"

اچھا میں آپ کی صاحبزادی سے پوچھوں گا کہ کثرت کیا صرف میری ہی غیر سنجیدگی اور غیر وقاری کی وجہ سے آپ اس غریب خانے کو خیرباد کہنا چاہتی ہیں؟"

"ابھی اس دن ڈاکٹر صاحب کہہ رہے تھے کہ آپ کا مومو عمر بھر سنجیدہ نہیں ہو سکتا!"

ان سے کیا مطلب؟ وہ بے حد شدت سے بگڑا۔

مطلب کیوں نہیں۔" جھڑک کر پھوپھی اماں بولیں۔ "آخر میں نے ان کی لڑکی سے تمہارا پیام دیا تھا!"

جینی کا کہا اس کے ذہن میں گونجا۔ دل بھی تھوڑا بہت دھڑکا۔ مگر وہ سنبھل کر بولا۔

"آپ نے اچھا کیا۔ ڈاکٹر صاحب مجھ سے بھی کہہ رہے تھے کہ تم روفی سے شادی کر لو تو اچھا ہے میں تمہیں اپنا کمپاؤنڈر بنا لوں گا۔ جینے پیچھے جانے کی سو

کیوں ؟۔

بہت خفا ہو رہی تھیں۔

کچھ کہہ دیا جبین نے؟ "روبی پریشان ہونے لگی۔

نہیں بھئی" مصطفےٰ نے معصوم صورت بنائی" وہ کہہ رہی تھیں کہ ادھر ادھر کے ڈیٹیل ناول پڑھ پڑھ کے تم لوگوں نے خوب پر پرزے نکالے ہیں۔ یہ روز بروز شو پنگ کے بہانے پیسہ پھونکنا، تفریحیں کرنا اور کسی کی شرم لحاظ رکھنا سب تم لوگوں نے انہیں ناولوں سے سیکھا ہے"

اچھا میں ممی سے پوچھتی ہوں۔ یہ تم اپنی طرف سے کہہ رہے ہو۔

خبردار اس وقت ان کے سامنے نہ جانا۔ ابھی تو مارنے ملنے چھوڑا ہے۔

کیوں؟۔

کہہ رہی تھیں کہ ۔تنا بڑا ہو گیا ہے اور لڑکیوں میں گھسا بیٹھا رہتا ہے۔ نہ لڑکیوں میں اتنی شرم ہے کہ اٹھ جائیں۔ سر منہ کھولے ہر وقت بس دانت نکالے رہا کرتی ہیں۔ ایک ہم تھے کہ لڑکوں کے سائے سے پردہ کرتے تھے اور یہ بھی کہہ رہی تھیں کہ یہ روبی ہمیشہ یہیں بنی رہتی ہیں۔ آخر کیا ارادہ ہے اس کا؟"

کون ہے۔ رو ہی۔ کون باتیں کر رہا ہے؟۔ پھوپھی اماں نے کھسر پھسر سن کر پوچھا۔ مصطفےٰ پنجوں کے بل بھاگ نکلا۔ روبی جہاں تہاں کھڑی رہ گئی۔ دو منٹ بعد پھوپھی اماں اندر آئیں تو اسے بچوں کی طرح روتے دیکھا! جھپٹ کر پاس آئیں۔ سر اٹھایا۔ وجہ پوچھی۔ اتنے میں جبینی بھی آ گئی۔ وہ بھی دلگرفتہ تھی! اور شرمندہ بھی۔

میں آپ کے پاس نہ آیا کروں ممی ؟ روبی ہچکیاں لیتی ہوئی بولی" آپ

مجھے کہتی ہیں کہ میں بڑے بڑے ناول پڑھ کر بری باتیں سیکھ گئی ہوں۔ اور آپ کو یہ بھی پسند نہیں کہ میں مومو سے باتیں کروں۔ میں بڑے ارادے سے آپ کے پاس آتی رہتی ہوں۔؟"

"خدا خدا کرو بیٹی!" وہ بے چاری یہی کہہ سکیں۔

"پھوپھی اماں!" ادھر سے جینی ان کے آ لپٹی۔ "میرا یہ منشا ہرگز نہیں تھا کہ آپ رو دیں۔ میں آپ کے لیے مر سکتی ہوں۔ پھوپھی اماں پیاری۔ مگر آپ کا رونا نہیں برداشت کر سکتی!" یہ کہتے کہتے وہ بھی رونے لگی۔ اب حالت یہ تھی کہ ایک پہلو سے روبی سسکی رو رہی تھی دوسرے پہلو سے جینی ہمہ تن گریہ رہی تھی۔ پھوپھی اماں بوکھلا بوکھلا کر کبھی اسے چپ کرتیں کبھی اسے۔ مگر ان دونوں ہی کا ارادہ اپنا پروگرام ملتوی کرنے کا نہیں تھا! بالآخر بدحواس ہو کر وہ بولیں۔

"بیٹی میں نے کچھ نہیں کہا۔ نہ تم کو اور نہ تم کو۔ نہ جانے روتی دھوتی۔ میں تو منشی صاحب سے مشورہ کر رہی تھی کہ پندرہ دن بعد مومو کی سالگرہ ہے اس کا کیا انتظام کرنا چاہیے۔ یہ سب تم کیوں رو رو کر ہلکان ہوئی جا رہی ہو۔ کس نے کیا کہا ہے تم دونوں سے؟" پھر دونوں نے بتایا کہ مصطفیٰ نے ان سے کیا کہا تھا۔ پھوپھی اماں سر تھام کر بیٹھ گئیں۔

روبی نے آنسو پونچھ کر اور دانت پیس کر کہا: "تو آپ کیوں نہیں ڈانٹتیں انہیں۔؟" مگر جینی اب اندر اندر ہنس رہی تھی!

مصطفیٰ دروازے کی درز سے جھانک رہا تھا۔ اور اس کے لبوں پر مطمئن مسکراہٹ تھی۔

دو تین دن تک روبی اس سے نہ بولی۔ جینی نے بھی بات نہ کی۔ اسے ان کی کیا پروا تھی۔ اس کے اپنے مشاغل کیا کم تھے۔ اس کے علاوہ

مصطفیٰ کے گال گرم ہونے لگے۔ ناحق اس نے شبہ کیا تھا کہ ابرار جینی کے متعلق سوچنے لگا ہے۔ اس نے پھر اس کو ٹٹولا۔

بہت تعریفیں کر رہے ہو اس کی۔ کچھ گھول کے پلا دیا ہے؟"

اس معاملہ میں میں سنجیدہ ہوں۔ تو مو۔ ابرار نے کہا۔" جینی روبی تجھے عزیز ہے۔ اسی قدر وہ مجھی عزیز ہے۔ مجھے بھائی جان کہتی ہے اور کوئی بھائی ایسا بے حس نہیں ہو سکتا کہ اپنی بہن کی تعریفیں نہ کرے۔"

مصطفیٰ نے اپنا مقصد حاصل کر لیا۔ اب اسے یہ فکر تھی کہ وہ اپنی ممی کے دل و دماغ سے روبی کا اثر کھرچ سکے!۔ یہ اسے معلوم تھا کہ انھوں نے کئی دنوں قبل ڈاکٹر صاحب سے اس قسم کی گفتگو کی تھی۔ وہ اتنا بڑا قدم تو نہیں اٹھا سکتا تھا کہ براہ راست ڈاکٹر صاحب سے جا ٹکراتا۔ دل ہی دل میں منصوبے گانٹھتا رہا۔

نیلوفر میں مصطفیٰ کی سالگرہ کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ جینی نے اپنے داخلے کے فارم بھر کے بھیج دیے۔ وہ اپنے ڈیڈی کی آرزو۔ ہر حال میں پوری کرنا چاہتی تھی۔ ویسے بھی اسے شرم آتی تھی کہ وہ دوسری لڑکیوں کی طرح فرفر ٹنگ نہیں کر سکتی تھی!۔

ان دنوں اس نے مصطفیٰ سے بات چیت بند کر دی تھی۔ وہ تو بے حد اینڈا اینڈا پھرتا۔ جس طرح کوئی چھوٹا سا بچہ اپنی سالگرہ سے خوش ہوتا ہے کہ اسے اچھی اچھی چیزیں تحفوں میں ملیں گی اسی طرح باچھیں کھلائے پھرتا۔

اور اس وقت بالکل پتہ نہ چلتا کہ وہ ایک اٹھائیس سال کا مکمل آدمی ہے جس نے دو مرتبہ امتیازی حیثیت سے ایم، اے کیا ہے! - جینی کا تو یہ حال تھا کہ وہ بی، اے ہو کر خود کو بیحد تعلیم یافتہ سمجھنے لگی تھی! - اسے مصطفےٰ سے نہایت جلن لگتی اگر پھوپھی اماں زیادہ منہ نہ چڑھاتیں تو وہ اتنا خود غرض، لاپرواہ، بدمزاج نہ ہو

مارے غصے کے اس نے اس کی سالگرہ میں بھی حصہ نہیں لیا۔ دن رات ملازموں کی فوج بیلوفر کو آراستہ کرتی پھرتی۔ مصطفےٰ بارے خبطی پن کے کئی درجن گملے اٹھا لایا تھا۔ نوکر حیران تھے کہ یہ پچاس ساٹھ گملے کہاں رکھے جائیں گے مصطفےٰ نے گملے جینی کے کمرے کے عین سامنے اس طرح سجا دیے کہ صرف بالشت بھر کی پگڈنڈی سی باقی رہی۔ پھر بارے قابلیت میں گملوں میں پانی بھر ڈالا تو یہاں سے وہاں تک تمام کیچڑ ہی کیچڑ ہو گئی۔ جینی نے آپے سے باہر ہو کر اس کا گریبان پکڑ لیا۔ اور آنکھوں میں خون اتار کر قہرناک لہجے میں بولی۔

"اگر میں پتھر مار مار کر یہ سارے گملے ستیاناس کر دوں تو؟"

اے۔ کیا میں نے آپ کا کچھ ادھار کھایا ہے۔ گریبان تو چھوڑیئے!"

اس نے گریبان جھنجھوڑ کر کہا: "کچھ ہوش بھی ہے کہ آپ کی اٹھائیسویں سالگرہ ہو رہی ہے پانچویں نہیں۔ اب آپ بچے نہیں ہیں۔ آپ پر یہ حرکتیں اچھی نہیں لگتیں"

ہولڈ یور ٹنگ۔ پلیز" اس نے خاصہ برا مان لیا: "یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے کہ آپ مجھے یوں منہ بھر بھر کر کوسیئے۔ رہی گملوں کی بات۔ وہ تو یہیں رہیں گے"

ٹھیک ہے۔ پھر آپ کا ہے" جینی الگ کھڑی ہو گئی۔ اس کا چہرہ اتر گیا "مجھے کچھ کہنے کا حق ہی کیا ہے"

راحت بھاگ کر پھوپھی اماں کو بلا لائی تھی وہ بے حد زچ ہو کر بولیں "

اب میں خود ہی گھر سے چلی جاؤں گی۔ مجھے تمہاری چچی جان بلا رہی ہیں۔ تم جانو تمہارا کام جانے۔ روز روز کے جھگڑے مجھ سے نہیں نپٹتے۔ راحت بیٹی خان صاحب سے کہہ دے۔ گاڑی نکالیں"

آپ نے سارا قصہ سنا ہی نہیں۔ خواہ مخواہ خفا ہونے لگیں" مصطفےٰ نے کہا۔

کیا قصہ ہے" وہ بگڑنے لگیں تھیں۔

"یہ آپ کی صاحبزادی بضد ہیں کہ یہ پلنگ گملے اس جگہ رکھ کر شو خراب کریں گی۔ میں ملازموں کو بلا کر لایا تھا کہ اس جگہ سے اٹھوا کر دوسری طرف رکھوا دوں تو یہ مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئیں" مصطفےٰ نے کہا۔ جبینی نے سرپیٹ یا دانت پیس کر بولی شیطان کا کلیجہ پانی ہو گیا ہو گا ایسے کورے جیسا سفید جھوٹ سن کر"

خبردار۔ میں بری طرح بگڑوں گی۔ موئے۔ اگر تم نے میری بچی کی کوئی بات ٹالی اگر میری بٹیا کہتی ہے کہ گملے یہیں رہیں گے تو یہیں رہیں گے! پھوپھی اماں نے کہا اور سے تسلی دی "اسی جگہ رکھ بیٹی یہ سب۔ اور اب تم اس نگوڑی کی بات پر کان نہ دھرا کرو"

جبینی کچھ نہ کہہ سکی پھوپھی اماں مصطفےٰ کو زہر آلود نظروں سے گھور کر گئیں اپنے کمرے میں تو کہیں تو بھی لیٹ گئیں۔

"مجھے بہت پہلے ہی سمجھ گئی تھی کہ یہاں میرا رہنا آپ کو گوارا نہیں ہے۔ مجھ سے کہہ دیجئے۔ یونہی میں چلی جاؤں گی"

کون اُلو کا پٹھا ایسا سمجھتا ہے" وہ گرج کر بولا۔

"آپ!" وہ پھر ہنسی ضبط کرنے کی کوشش میں گلابی ہو گئی۔

کیوں کہتا ہوں میں ایسا؟

مجھے کیا پتہ۔؟

تو پھر آپ کیوں دھمکاتی ہیں کہ پٹھان بیگم سے میری شادی کر دیں گی۔؟

واہ یہ بھی کوئی بات ہے!۔

اگر دھمکی دینا چھوڑ دیجیئے تو میں بھی خاموش احتجاج نہ کروں گا!۔

"میں کیا جانوں؟ یہ تو کبھی اماں سے کہیئے۔ لیکن ردفی بہت اچھی بچی ہے"

"بہت زیادہ اچھائیاں میں اپنی ذات پر منڈھنا نہیں چاہتا"

ایسے بے حد اچھے نہیں ہیں آپ!"

بس۔ اپنی ہی سی کچھ کم اچھی میں اپنے لیے چاہتا ہوں۔ سمجھیں۔

ارے بابا! کھلکھلا ہٹ کر وہ بولی: تو یہ سب مجھ سے کہنے سے کیا حاصل۔ اپنی امی سے کہیئے۔ میں کیا آپ کی ناصح ہوں۔؟"

ردفی اپنی پھولدار اور خوشنما میکسی لے کر آئی۔ اور اپنے جسم سے لگا کر بولی اچھی لگ رہی نا۔ جینی۔؟ یا پھر نیچے ایک جھالر اور لگا لوں"

لاحول ولاقوۃ۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مردہ کفن پہنے منہ چھپائے دفن ہونے کے لیے تشریف لے جا رہا ہے۔ میرا بس چلے تو میں! مصطفٰے نے کہا۔ ردفی بات کاٹ کر چیخی "آپ سے نہیں پوچھا میں نے"

"کیا یہ لبادہ میری سالگرہ پر پہن کر جاتی ہیں تو جلوں پھنا ہے آپ کو" مصطفٰے وحشت سے تلملا کر بولا۔

آپ خود دس مرتبہ جا بجا جلا دیں: ردفی بگڑ گئی۔ اور جینی کا ہاتھ پکڑ کر چل دی۔ دونوں الگ تھلگ سا بیٹھ کر مصطفٰے کی برائیاں کرنے لگیں۔

کیسے رہتی ہو اس بد مانس کے ساتھ: ردفی متحیر تھی "میرے تو دماغ کی چولیں ہل جاتی ہیں!"

اب مستقل طور پر رہا کریں گی" جینی نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"خدانخواستہ"
پھوپھی اماں نے پپا سے کہہ دیا ہے۔ مومو کے ساتھ تمھاری شادی۔!"
ہٹو۔ گپ باز کہیں کی۔ ارے تم سے کیا چھپانا۔ پپا نے تو بڑی ماں سے میرے سلسلے میں بات چیت کی تھی۔!" ونی بولی۔
کیا!۔
بڑی ماں پپا کے بڑے بھائی کی بیوی ہیں۔ ان کا لڑکا ہے نہ عرفان وہ پپا کے ہسپتال ہی میں کام کرتا ہے۔! اس کے لیے پپا نے بڑی ماں سے کہلایا تھا۔ اور شاید۔" وہ کچھ جھینپ کر چپ ہو گئی۔
اور کیا؟۔ جینی نے پوچھا۔
بڑے ابا کے کینیڈا سے آنے کے بعد پپا نے کہا تھا کہ۔ رسم کر دیں گے۔ وہ شرماتی ہوئی بولی۔
تمھیں پسند نہیں ہیں عرفان صاحب۔!"
پسند وسند کیا!۔ مومو کے جیسے شریر اور چلبلے نہیں ہیں۔ بے حد سیریس اور کم سخن آدمی ہیں۔"
مگر پھوپھی اماں کو اس بات کی خبر نہیں۔
یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو؟۔
اچھا جینی یہ تو بتاؤ۔ ممی نے تمھارے سلسلے میں کیا ابھی تک کچھ نہیں سوچا۔؟
ہشت۔ میں شادی بیاہ سے دلچسپی نہیں رکھتی!۔ شادی کے بعد شوہر کی ناز برداری کرنا پڑتی ہے۔ بچے ہوتے ہیں۔ ان کی الجھن الگ۔ ایک بیمار ہو گیا دوسرا مر گیا۔ یہ کہاں کی مصیبت۔ اب دیکھو کہ ڈیڈی نے شادی کی۔ بچے ہوئے!

بھیا جوان ہو کے مر گئے ۔ مجھے تنہا چھوڑ کے ڈیڈی گزر گئے ۔ کتنی پریشانی اور کیسے صدمے کی باتیں ہیں ۔ اکیلے آدمی کو یہ کوئی روگ نہیں ۔ تنہا آئے تنہا گئے ۔ نہ اولاد کا غم خود کو ہوتا ہے نہ اولاد کو ہم کوئی غم دیتے ہیں !"

ہے تو سچی یہ بات ۔ لیکن شادی نہ کرنے سے بھی بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ۔ اگر لڑکی کی شادی نہ کی جائے اور لڑکی دنیا میں اکیلی رہ جائے تو پھر یہ دنیا کے کتے اسے مفت کی ہڈی سمجھ کر اس وقت تک چباتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ ایک ایک کے دانتوں تلے کچل کر ریزہ ریزہ نہ ہو جائے ۔ خدا کے تشکیل کردہ قانون اپنے اندر بڑی سنجیدگی اور معنویت رکھتے ہیں ۔ میری بانو تم بھی شادی کر لو ۔"

ابھی مجھے بالکل فرصت نہیں ۔" جینی نے اعلان کر دیا ۔" اس صنف سے مجھے بالکل محبت نہیں جس کے ہونٹوں پر چڑیا کی چھوچھ بنی ہو ۔!

ڈیڈی کے بھی تو ہو گی ایسی چھوچھ ؟ ۔ روتی ہنس پڑی ۔

بہت زبردست تھی ۔ مگر وہ میرے باپ تھے ۔ بس انہی کے برداشت کی تھی میں نے ۔"

خود غرض ۔ لیکن اس شیطان مومو کے ہونٹوں پر بڑی عمدہ لکیر ہے ۔ وہاں تو بیئے کا گھونسلا نہیں ہے ۔"

"احمق ۔ مومو کا یہاں کیا تذکرہ ہے ؟ ۔ جینی نے رنگ پریدہ ہو کے کہا ۔

روتی نے اس کے دل میں خلش جگا دی تھی ۔ رات کو جب وہ پھوپھی اماں کے پاس گئی تو ان سے تذکرہ کیا ۔ وہ بہت خوش تھیں ۔ پاس ڈاکٹر صاحب اور منشی صاحب اور دو تین کا دکن بیٹھے تھے ۔ پرسوں سالگرہ تھی ۔ منشی صاحب بڑے سرد لہجے میں کہہ رہے تھے ۔

"آپ کی صاحبزادے کا لباس میں تیار کراؤں گا۔ میں نے ایمان کی قسم۔ ایسا فرشتہ صفت بچہ عمر بھر نہیں دیکھا ہے۔"

"آؤ بی بی آؤ" ڈاکٹر صاحب نے جینی کو دیکھ کر کہا! اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے تھے ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھال لیا۔ پھر آواز بڑھا کر بولے "سب سے قابل تعریف اگر کوئی ہے تو وہ میری بیٹی ہے۔ میں نے کبھی صاحب ایسی سنجیدہ، صابر اور سمجھدار بچی عمر بھر نہیں دیکھی۔ ایسی خاموش اور متانت اس عمر میں ناممکن ہے!"

پھوپھی اماں بے حد پیار سے اسے دیکھنے لگیں: "بالکل اپنے باپ پر پڑی ہے۔ وہ بھی اللہ بخشے ایسی ہی تھے۔ سمندر کی سے عظیم۔ آسمان کی طرح خاموش اور حلیم۔ آہ۔ آج کے دن وہ ہوتا تو کتنا خوش ہوتا۔!

ڈاکٹر صاحب نے رنجیدہ موضوع بدل دیا "پرسوں کتنے مہمان آ رہے ہیں؟۔ غالباً تیاریاں تو سب مکمل ہو چکی ہوں گی۔

"درزی کے پاس سے ملبوسات آجائیں۔ بس اور کوئی تیاری نہیں رہ گئی۔"

راحت بڑی خوش ہے پھوپھی اماں اسے آپ نے جو زرد ریشم کا لباس دیا ہے اسے پہن کر آئینے کے سامنے کتنی دیر تک کھڑی خوش ہو رہی تھی۔" جینی بولی۔

"پیاری بچی۔ جب اس کے ماں باپ لاری کے حادثے میں گزرے تین سال کی تھی۔"

لازم چائے لے آیا۔ دیر تک خوش گپیاں کر کے ڈاکٹر صاحب سدھارے۔ اور پھوپھی اماں کے کمرے چلے گئے تب آہستہ سے جینی نے کہا: "پھوپھی اماں

ایک دن آپ نے کہا تھا کہ ردنی سے نوموکی شادی کر دیں گی "

وہ مستفسرانہ انداز سے اسے دیکھنے لگیں۔

آج مجھے پتہ چلا کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے بھائی کے لڑکے عرفان صاحب کو اس کے لیے پسند کر لیا ہے ان کے امریکہ سے آنے کے بعد منگنی بھی ہو جائیگی؟

کیسے پتہ چلا بیٹی؟" پھوپھی اماں نے پوچھا۔

" ردنی کہہ رہی تھی۔ مگر آپ اس سے کہیئے گا نہیں۔ پھوپھی اماں۔ میں نے سوچا کہ اس خبر سے آپ کو کتنی تکلیف ہوگی۔ اس لیے آپ کو سنادی۔ آپ ڈاکٹر صاحب سے ضرور کہیئے کہ انھوں نے آپ سے وعدہ کر کے یہ کام کچھ اچھا نہیں کیا "

ارے میرے مولا۔ نثار میں تیری شان کریمی پر" پھوپھی اماں رنجیدہ ہونے کی بجائے یک بیک زیادہ خوش ہوگئیں تو جبینی کو بہت تعجب ہوا۔ یقیناً وہ آدمی کی فطرت شناس نہیں بن سکتی! آخر اس میں خوش ہونے کی کیا بات تھی۔ انھیں تو ڈاکٹر صاحب سے ان کی بدعہدی پر سخت بازپرس کرنی چاہیئے تھی۔!!

وہ سوچا کی۔

تمھاری کوئی سہیلی نہیں بیٹی جو آسکے!" پھوپھی اماں نے پوچھا۔

اب تو صرف روفی ہے۔ اور کہیں کوئی نہیں "

بیٹی تم نے اپنا لباس دیکھا۔

" اللہ پھوپھی اماں۔ اتنا بھاری لباس ہے۔ وہ تو مجھ سے اٹھا بھی نہیں میں پہنوں گی کیسے۔ آپ نے گیارہ ہاروں کا چندن ہار بھی رکھ دیا ہے۔ یہ سب میں نہیں پہن سکتی پھوپھی اماں۔ میں اپنے کپڑوں میں سے کوئی اچھا سا

سوٹ نکال لوں گی۔"

"واہ یہ بھی کوئی بات ہے" پھوپھی اماں نے کہا۔ "اس دن سب تمہارے ملنے والیاں آتی ہیں۔ سب تمہیں سادہ سے معمولی لباس میں دیکھیں گی تو کیا کہیں گی کہ یہ ہے بیگم ذوالفقار علی خاں کی بھتیجی، جسٹس اعتماد علی خاں کی اکلوتی بیٹی۔ تمہیں وہی سب کچھ پہننا پڑے گا جو میں نے تیار کروایا ہے۔"

جینی اتنی معصوم اور فرشتہ خصلت تھی کہ بڑوں کا کہنا ٹالنا اس کے لیے گناہ کبیرا تھا۔ ان کی خوشی اور مرضی کو وہ اپنی مرضی سے لاکھ گنا زیادہ اہم اور قابل عمل سمجھتی تھی۔

"تمہاری سالگرہ کی کیا تاریخ ہے بیٹی؟" انھوں نے پوچھا۔

منشی صاحب بول اٹھے "چوبیس جولائی کو ہوتی ہے۔ نرجس بٹیا آپ نے اس سالگرہ کی شان و شوکت اور دھوم دھام نہیں دیکھی۔ تقریباً آدھا آبادی شہر حیدرآباد کی بٹیا کی سالگرہ پر ڈھل آئی تھی۔"

"اللہ چاہے گا تو یہاں بھی کوئی کمی اور کسر نہ رہے گی" پھوپھی اماں نے کہا۔

"نہیں نہیں۔ پھوپھی اماں۔ ڈیڈی کے بعد اب کوئی خوشی مجھے خوشی نہیں معلوم ہوتی۔"

"نہیں بیٹی۔ میں اپنے بھائی کی روح کو مغموم نہیں کرنا چاہتی۔ بڑوں کے کاموں میں بچیاں دخل نہیں دیتیں۔"

وہ پھر چپ ہو گئیں۔ پھوپھی اماں دن بھر کی تھکی ماندی اٹھ گئیں۔ منشی صاحب بھی سدھارے۔ جینی سر گھما گھما کر یہاں وہاں کی آرائش زیبائش دیکھنے لگی۔ کیسا دلکش اور نظر فریب ڈیکوریشن تھا۔ ہر طرف رنگ برنگی قمقموں کی خوشنما جھالریں لہرا رہی تھیں۔ ہر ہر ستون سے مرکری راڈ زچپاں تھے۔ چھت میں

بڑے بڑے جھاڑ فانوس آویزاں تھے۔ شفاف و مجلّیٰ ننھے ننھے فانوس میں پتلی
پتلی رنگین موم بتیاں نصب تھیں۔ ہوا چلتی اور شیشے کی نازک نلکیاں
ایک حسین و لطیف نغمگی پھیلا دیتیں۔ دیواروں پر کاغذی پھولوں کی خوبصورت
بیلیں جھوم رہی تھیں۔ بے شمار گملے طرح طرح کے نازک پھولوں سے آراستہ جگہ جگہ
سجے ہوئے تھے۔ ان کی اپنی الگ ایک مہک تھی۔ بڑے ہال میں نہایت لمبی
لمبی چمکیلی میزیں ایک سرے سے دوسرے آخری سرے تک بچھی تھیں۔ ان پر خوشنما
میز پوش بچھے تھے۔ اور ایک ایک گز کے فاصلے پر کانچ کے شفاف مرتبانوں میں
بلب لگائے گئے تھے۔ یہاں تیز ترین روشنیوں کا انتظام تھا۔

اس نے بالکونی سے نیچے جھانکا! باغ کی بہار شباب پہ تھی۔ خزاں کا دور
چلا گیا تھا۔ اب بہار کی آمد آمد تھی۔ ہر درخت نیا لباس پہنے تھا۔ مخملی گھاس
اور عمدہ لان جس پر متعدد گارڈن چیئرز پڑی تھیں۔ روش روش روشن تھی۔
گرد و غبار اور ایک تنکے کا جہاں نام و نشان نہیں تھا!۔

در شاندار گیٹ پر عارضی شامیانہ بنایا گیا تھا۔ جس میں روشن چوکی والے
سالگرہ کے دن اس طرح چھپ کر بیٹھتے کہ صرف روشن چوکی کی دلکش دھن فضا
میں گونجتی۔ بجانے والے کسی کو نظر نہ آسکتے!۔

انٹرٹینمنٹ کے لیے بڑا مہمان خانہ سجایا گیا تھا۔ جہاں بہت وسیع و عریض
اسٹیج پر مشہور آرکسٹرا اپنے فن کے کمالات کا مظاہرہ کرنے والا تھا۔ جینی کو اپنی
سالگرہ کی شان و شوکت یاد آگئی۔ یہی سب کچھ ہوتا تھا۔ اس کی سالگرہ میں بھی۔ مگر
اب کہاں۔ اس نے آہ بھر کر سوچا۔ پرسوں یہاں روشنیوں کی جگمگاہٹ ہوگی۔ اور میری
ممی میرے ڈیڈی میرے بھیا گھپ اندھیرے میں خاک کے بستر پر پڑے ہوں گے
تب کسی کو ان کا خیال نہیں آئے گا۔ کوئی نہیں سوچے گا کہ جینی ان کی یاد میں کس

طرح دل ہی دل میں آنسو بہا رہی ہے۔

اس کی پلکوں پر ستارے بکھرنے لگے!۔ اتنی بے خبر تھی کہ اس نے اپنے پیچھے کھڑے ہوئے مصطفےٰ کو بھی نہیں دیکھا!۔ چند لمحے وہ اسے دیکھتا رہا پھر کچھ کہے بغیر ہاتھ بڑھا کر اس کے آنسو پونچھے۔ جینی چونک کر پلٹی۔! اور اپنی بے ضبطی پر شرمسار سی نظر آئی۔

"آنسو بے وجہ نہیں نکلتے!۔ کیا بات ہے؟" مصطفےٰ نے پوچھا۔

خوشی کے موقعہ پر مجھے امی اور ڈیڈی یاد آجاتے ہیں!" اس نے بغیر نسوس سسکی لے کر کہا۔

"مجھے خود بھی اپنے ابا اس قدر یاد آرہے ہیں کہ جی چاہتا ہے چیخ چیخ کر رونے لگوں۔ لیکن میں صبر کرتا ہوں۔ مردوں کی یاد میں آنسو بہا کر زندہ رہنے والوں کو دکھ پہونچانا اور انھیں یہ احساس دلانا کہ ہم ان کی محبت و شفقت سے مطمئن نہیں ہیں۔ میری دانست میں کوئی اچھا فعل نہیں ہے۔ بوڑھی خوشیاں بہت کم ملتی ہیں۔ زینت!۔ آپ کو اور مجھے کیا خبر کہ ممی کو اپنے شوہر اور بھائی یاد نہیں آرہے ہیں ان کے دل پر تو خنجر چلتے ہوں گے۔ لیکن جب وہ ہماری خاطر اپنے آنسوؤں کو تبسم میں بدلنے کی طاقت رکھتی ہیں تو پھر ہمیں بھی ان کی خوشی کی خاطر اپنے آنسوؤں کو مسکراہٹ میں تبدیل کر دینا چاہیئے کسی کی دلجوئی کرنا بھی بہت بڑا کام ہے اس لیے میں اپنی ہزار خواہشوں کا گلا گھونٹ کر ممی کی صرف ایک ہی خواہش کو پورا کرنا اپنا مذہب اپنا ایمان اور اپنی زندگی کا ماحصل سمجھتا ہوں۔ زینت! کیا وہ آپ کی ماں سے کچھ کم ہیں؟"

نہیں بالکل نہیں۔ حاشا و کلا میں نے آج تک کبھی ایسا نہیں سوچا۔ اس نے بڑے مطمئن لہجے میں کہا اور یہ سوچ کر اسے خوشی ہوئی کہ مومو اس انداز سے بھی باتیں کر سکتا ہے۔؟

پھوپھی اماں نے آپ کی سالگرہ کا اتنا اچھا جشن منانے کا اہتمام کیا ہے۔ مجھے یہ مجلسی چہل پہل بڑی اچھی لگتی ہے۔" جبینی بولی۔

مجھے صرف ایک آئیٹم اچھا لگتا ہے۔

کیا؟۔

"یہ جو غریب اور یتیم بچے کھانا کھانے ہیں۔ کتنے شوق سے پیٹ بھر کے۔ بس یہی پسند ہے مجھے۔"

جبینی متاثر ہو گئی۔ اس کے دل میں غریبوں کا اتنا درد ہے۔ اس کی سمجھ میں آتا ہی نہیں تھا کہ وہ اسے کیا سمجھے۔ شریر، لاابالی یا سنجیدہ سوچنے والا۔ کبھی اس کے دل میں اس کی بے پایاں محبت جاگنے لگتی اور کبھی ایسی شدید بیزاری کہ شکل تک دیکھنے کا دل نہ چاہتا۔

آئیے باغ میں چل کر بیٹھیں۔ دس بجے تک چاند نکلے گا۔" مصطفےٰ نے کہا "اور رات پر چاندنی کا ملمع ہو جائے گا۔ آپ کو ایسی راتیں پسند نہیں؟۔

کیوں نہیں۔!" وہ متذبذب تھی۔

مرنے کے بعد کھلا جنت میں چاندنی رات، گرم گرم کافی اور کم از کم شہسواری کے سوا تفریح تو نصیب نہیں ہوں گے۔ جنت کی سڑکوں پر اگر میں ڈریم گرل کو دوڑاؤں گا تو اللہ میاں کان پکڑ کے نکال باہر کریں گے۔ ارے خدا کی پناہ۔ یہ آرہا ہے۔ داستان گو شاعر گئی چاندنی رات جہنم میں۔"

ابرار اوپر آیا "کیا ہو رہا ہے۔ موموبیار تو نے میری نئی بیاض نہیں دیکھی۔ آج سارا دن بیٹھا اشعار لکھتا رہا ہوں۔ پرسوں میں مہمانوں کو گیت بھی سناؤں گا۔!

آپ اپنی بیاض مجھے ضرور دکھیئے کہا ئی جان" جبینی بولی۔ پرانے اشعار بھی سنیئے" ابرار خوش ہو گیا "ملے جبینے۔ ایک آدھ سناؤں؟"

خطا بخش دو۔ یار" مصطفےٰ نے ہاتھ جوڑ دیے " اتنے زیادہ گناہ میں

نہیں کیے جو سزا میں اشعار بھگتنا پڑیں۔ تم محترمہ زینت کو سناؤ میں چلا۔"

ایمان سے۔ موسو۔ تو بالکل بھینس کی طرح ٹھس ہے" ابرار نے تڑپ کر کہا۔

" ہرگز جانے نہ دوں گا۔ اچھا تو سنو ۔

کیسی بیمار جسم کی حالت ہے کیوں کڑے ہیں یہ چارہ گر خاموش

مصطفےٰ نے کچھ کہے بغیر ایک طرف دوڑ لگائی۔ اس کے پیچھے ابرار دوڑا۔ دونوں

میں ریس شروع ہوگئی۔ ایسی دھما چوکڑی مچی کہ پھوپھی اماں کمرے سے نکل

آئیں جبینی ہکا بکا کھڑی تھی۔

"یہ کیا آفت آئی ہے۔ ابرار۔ موسو۔ یہ کیا ہو رہا ہے!"

"یہ میرے اشعار نہیں سنتا!" ابرار ہانپتا ہوا بولا۔

"اس سے کہیے میری جان بخشے" مصطفےٰ بھی ہانپتا ہوا بولا۔

نگوڑی کوئی بات ہے" پھوپھی اماں بگڑیں " آدھی رات کو گھڑ دوڑ مچا رکھی

ہے۔ میں کہتی ہوں تم لوگ بڑے بچے ہوگئے کہ نہیں؟"

"یہ تو ایسا ہی قصہ ہو گیا تھا کہ ایک دفعہ" ابرار نے کہنا چاہا۔

"قصہ یہ ہوگا کہ میں تمہاری گردن دبا کر مار ڈالوں گا" مصطفےٰ اس سے لپٹ

گیا۔ ابرار چیخنے لگا "مارے ڈالتا ہے"۔ ارے کوئی آئے بچائے مجھے"

"چلو بیٹی چلیں" پھوپھی اماں نے دونوں کو ان کے حال پر چھوڑا اور جبینی کا

ہاتھ پکڑ کر چلی گئیں۔

"کس بری طرح لڑتے ہیں پھوپھی اماں یہ دونوں" جبینی ہنس رہی تھی۔

"ان کا ایک دوسرے کے سوا اور کوئی دوست نہیں ہے" وہ پیار سے مسکرائیں۔

ابرار نے دم نکلنے کے دوران میں ایک شعر عرض کر دیا ۔

دوستدار دشمن ہے اعتماد دل معلوم
آہ بے اثر دیکھی نالہ نارسا پایا!

مصطفےٰ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

کچھ دیر بعد دونوں صحن چمن میں بیٹھے چاندنی کا لطف اٹھا رہے تھے۔ ابے تو عین وقت پر کالے دیو کی طرح ٹپکا! ورنہ اشعار کی بیماری پھیلانے لگا۔" مصطفےٰ دانت کچکچا کر بولا۔" ورنہ آج تو میں قطعی سوچ چکا تھا کہ اس سے کچھ درد دل کہہ ہی دوں گا۔"

مبتلا ہو گیا ہے۔ دل کے درد ہیں؟" ابرار نے حیرت سے اچھل کر پوچھا۔ "اسے خبر ہے کہ نہیں!"

تم منحوس نہ آجاتے تو واقف کرا دیتا!" مصطفےٰ ابھی تک ناراض تھا میں سفارش کرا دونگا۔" ابرار بولا۔" لیکن مجھے یقین ہے کہ تم اپنی بےتکی باتوں سے اسے اس قدر بے زار کر چکے ہو کہ وہ تمہاری طرف ملتفت نہیں ہو سکتی!"

کالی زبان مت نکالو۔ میں نے سب طرف سے ناکہ بندی کر کے سوچا تھا کہ اسے اس راہ پر لے ہی آؤں گا۔ خیر پھر سہی۔ تم اس سے کوئی بکواس نہ کرنا۔"

"اچھا سنو۔ یہ سالگرہ، گلپوشی یا ایسے ہی رومانی مواقع ایسے ہوتے ہیں کہ آدمی جذبات سے اوور لوڈ ہوتا ہے۔ اس وقت اچھا سا لباس پہن کر، چہرے پر رنگ طاری کر کے اور کسی عمدہ ہیرو کا کوئی عمدہ سا رول یاد کر کے اس کے پاس جانا اور کوئی سا رومانی ڈائیلاگ دینا۔ نتیجہ خلاف توقع نہیں نکلے گا۔" ابرار نے مشورہ دیا۔

کبھی ایسی سچویشن سے دو چار ہو چکے ہو کیا؟" مصطفےٰ نے حیرت سے کہا۔

ہو چکا تھا مگر وہ ڈرامہ کلائمکس پر پہونچنے سے پہلے ہی بڑے افسوس ناک
پوائنٹ پر ختم ہو گیا۔ وہی بات تھی کہ۔ دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا۔ وہ میری
محبت کا جواب دینے ہی والی تھی کہ اس کا بڑا بھائی آ گیا۔ اور پھر وفا کیسی کہاں
کا عشق۔ ہم تنکے کی طرح اڑ گئے دست مختصر لیے ہوئے۔ اس بدتمیز نے بڑا سا ڈنڈہ ہاتھ میں
سنبھال رکھا تھا!"

"پھر لڑائی نہیں کی؟"

تمہارا کیا مطلب ہے۔ میں مار کھاتا!۔

عاشقی میں عزت سادات تو جاتی ہی ہے۔ لیلیٰ کا دیوانہ جب ایک پتھر سے نہ
اڑ جائے اسے مجنوں کون کہے گا؟" مصطفٰے نے کہا "میرا مشورہ یہ ہے کہ سیکھے
جاؤ تم مشق ناز سے دوستو"

یہ کیا بدتمیزی ہے؟ اشعار میں گفتگو کر رہے ہو؟" ابرار نے آنکھیں نکالیں

"تمہاری صحبت میں خراب ہو رہا ہوں!"

اچھا تو پھر۔ مذاق برطرف۔ میں ایک بات بے حد سنجیدگی سے کہنا چاہتا ہوں"
تم اور سنجیدگی؟ تو یوں ہی خوشی سے مر نہ جاؤں اگر اعتبار کر لوں۔ پلیز
ملاحظہ ہو۔ تم بھی سنجیدگی سے سنیے" وہ کھسیایا۔

اچھا سنوں گا۔ سناؤ"

شاید تمہیں نہیں بتایا ہے کہ۔ کوئی سال بھر قبل ممی نے روزی کے سلسلے
میں تمہارا نام لیا تھا!"

بات کاٹ کر مصطفٰے نے کہا "یہ تو پرانی بات ہو گئی ہے"

وہ پھر سے نئی ہو گئی ہے۔ پپا آج کل بہت پریشان ہیں۔

کیوں؟۔

ممی نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ تمھاری سالگرہ کی شام تم سے روبی کی منگنی کا
اعلان کر دیں گی۔"

"نہیں؟" مصطفےٰ نے بڑی دہشت سے کہا۔

مگر ابرار اتنا سیریس تھا کہ اس نے اس کی دہشت محسوس نہیں کی۔ اپنی
کہے گیا: "پیا اس لیے پریشان ہیں کہ پرسوں تمھاری سالگرہ ہے اور۔۔ وہ۔ پلیز
ممو۔ مجھے معاف کر دو۔ پیا کو بھی معاف کر دو کہ۔ وہ اب عہد شکنی پر مجبور ہیں
وہ اس شرمندگی سے سالگرہ میں بھی شامل ہونا نہیں چاہتے۔ کیونکہ۔ وہ۔ وہ
اب بڑے ابا کے بیٹے عرفان کی درخواست پر غور کرنے لگے ہیں۔ مجھے تو نہیں معلوم
مگر پیا کہہ رہے تھے کہ دادا حضور کے مرنے کے بعد بڑے ابا نے پیا کی بہت مدد کی
تھی اور ان کا کلینک اپنے خرچ سے کھلوایا تھا۔ اگر وہ عرفان بھائی کے سلسلہ
میں زور دیں گے تو۔ پیا۔ بڑے ابا کے احسانوں کے خیال سے انکار میں جواب
نہیں دے سکتے!"

زور سے مصطفےٰ کا دل دھڑکنے لگا۔ ایسے کھنچتے ہیں۔ پھر لگے نہ کھنکری
اور رنگ بھی آ گئے۔ اس نے اپنی مسرت چہرے سے ظاہر ہونے دی۔ ابرار
اس کا ہاتھ دبا کر بولا:

"مجھے پیا نے اسی لیے بھیجا تھا کہ میں مناسب الفاظ میں ساری باتیں تمھارے
سامنے رکھ دوں۔ تم تعلیم یافتہ، روشن خیال اور وسیع الظرف ہو۔ آدمی کی
مجبوریاں کو سمجھتی ہو۔ خود ہی ممی سے کہہ سکو گی ورنہ وہ بیچاری زمانے کی خاتون
ہیں۔ ممتا پر جان دینے والی۔ کہیں کچھ اور سمجھ کر غم نہ کر لیں۔ ادھر پیا بھی
اتنے ترقی پسند اور بے حس نہیں کہ زبان دے کر پھر جائیں۔ وہ ممی کا سامنا کرنے کی
ہمت نہیں رکھتے!"

تھوک نگل کے اور ہونٹ بھینچ کے مصطفےٰ نے کہا: "اچھا بھائی۔ میں تمھاری۔ سب کی مجبوریوں کو سمجھتا ہوں۔ اگرچہ کہ مجھے کہنے میں اور ممی کے سننے میں تکلیف ہوگا کہ مجھے اور ممی کو پپا کی تمام دشواریوں پر نظر رکھنی ہی پڑے گی۔"

ابرار مصطفےٰ کے چہرے سے اس کی طمانیت اور خوشی کا اندازہ نہیں لگا سکا ممنون ہو کر بولا۔

"یہی میں کہنا تھا سو مو کہ آج کے زمانے میں تم سا پیارا دوست ملنا مشکل ہے"

وہ کھس پھس کر کے ہنسا۔ اس کی نظروں میں تو چاندنی اور دلکش ہو گئی تھی جو کچھ وہ چاہتا تھا۔ اسے خود بخود مل گیا تھا۔ ابرار بھی اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر کے بہت ہشاش بشاش ہو گیا تھا۔ اس کا شاعرانہ موڈ بن گیا۔ اب جو شعر اس نے سنائے مصطفےٰ نے اس کی خوب داد دی۔ چلتے چلتے مصطفےٰ نے اس سے کہا: "پپا کو سالگرہ ضرور اٹنڈ کرنی چاہیئے۔ میں انھیں لاؤں گا اور ممی کو بھی سمجھا دوں گا۔ دونوں اس موضوع پر بات نہ کریں گے۔ کیا سمجھے؟"

"بالکل سمجھ گیا۔ اچھا جا رہے۔"

اسے رخصت کر کے مصطفےٰ بیگم صاحبہ کی خوابگاہ میں آیا۔ وہ مسہری پر لیٹی تھیں۔ ٹرانسفارم آن تھا۔ آہٹ سن کر ۔ ۔ انھوں نے مسہری میں ایچ سوئچ دبایا اور کمرہ جگمگا اٹھا۔

مصطفےٰ ان کے پائینتی بیٹھ گیا۔

"گیا ابرار؟" انھوں نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"کیا کہہ رہا تھا۔"

"وہ کچھ پریشان تھا ممی۔!"

یعنی؟۔

میرے اور روبی کے سلسلہ میں کچھ کہہ رہا تھا وہ

میں بھی بہت پریشان ہوں۔ بیٹھے" وہ اٹھ بیٹھیں اور کچھ دیر تک مصطفےٰ کا چہرہ کا ہوا سر دیکھا کیں پھر بولیں:"میں نے صدیق بھائی کو زبان دی تھی لیکن اب ...."

اب کیا ہوا ممی "

اب میں نہیں چاہتی" ایک ٹھنڈی سانس لے کر وہ بولیں "آدمی کو جب اپنی زبان کی وجہ سے شرمندگی اٹھانی پڑے تو وہ آدمی اپنی نظروں میں آپ گر جاتا ہے۔ میں نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ سالگرہ کی رات میں موجود تمام مہمانوں کے سامنے تم سے روبی کی منگنی کا اعلان کر دوں گی۔ لیکن میں بڑی گنہگار ہوں کہ اب میری نیت بدل گئی ہے۔ یہی سوچ رہی ہوں کہ کیا جواب دوں گی .... میں صدیق بھائی کو .... تب تک میں نے جبیں کو دیکھا کہاں تھا"

آپ پریشان نہ ہوئیے ممی" ایکا یک اضطراب کی زبردست طغیانی پر قابو پاتے ہوئے اس نے کہا" اسی مجبوری کو تو ابرار دہرا رہا تھا کہ۔ پپا نے اپنے بھتیجے کو روبی کے لیے پسند کر لیا ہے۔ ان کے کچھ احسانات ہیں پپا پر۔ جن کی ادائیگی ان کے لیے ضروری ہے۔ اور یہ بات بھی تو ہے۔ ممی کہ۔ رؤف خاں۔ جو ابلیس لعین کو پسند نہیں کرتیں روبی جھگڑتی ہیں مجھ سے۔ اور میرے منھ پر مجھے احمق بدمعاش اور لوفر بنا تی ہیں۔ وہ میرا ادب نہیں کرتیں۔ اگر آپ مجھے منع نہ کرتیں کہ لڑکی ذات کے ہاتھ نہ لگاؤ تو میں مار مار کے روف خاں کا کچومر نکال دیتا"

کیا سچ مچ ابرار ایسی کوئی بات کہہ رہا تھا۔ سوسو۔ اس کی بکواس پر غور کیے بغیر وہ بولیں۔

ہاں ممی۔ وہ کہہ رہا تھا کہ آپ خود پیار سے کہہ دیجیے کہ آپکا خیال کیا ہے؟ اور آپ ان کی مجبوریوں کے مدنظر ان سے ناراض نہیں۔ آپ انھیں سالگرہ میں شامل کیجئے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ وعدہ شکنی کے بعد اب وہ آپ کا سامنا نہیں کر سکتے!"

"صبح ہوتے ہی انھیں ناشتہ پر بلا لا۔ بیٹا۔ میں ان سے مل کے سب کچھ کہہ دوں گی۔ یہ تو میرے پروردگار نے ایک سل ہٹا دی ہے۔ میرے سینے پر سے۔ وہ بہت خوش تھیں۔

"کون سی ممی۔ کون سی سل رکھی تھی آپ کے سینے پر؟" اس نے بھولپن سے پوچھا

"پھر بتاؤں گی تجھے۔ دیکھ بھول نہ جائیو۔ صبح سویرے ناشتہ پر صدیق بھائی کی موجودگی بہت ضروری ہے۔" وہ سیڑھیوں سے اترتی ہوئی بولیں۔

"اب کہاں چلیں۔ ممی۔؟"

"دو رکعت نماز شکرانے کی پڑھ لوں۔ اور سن بیٹا۔ سکندر خاں سے کہہ دے کہ ناشتہ میں دو تین چیزیں تیار کر لیں۔"

"ابرار اور رحمت صاحب کو ناشتہ پر مدعو نہ کروں؟" مصطفےٰ نے پوچھا۔

"نہیں۔ اور نہ تم ہمارے ساتھ ناشتہ کرو سمجھے۔ اور سنو۔ خبردار میں پھر نہ سنوں کہ تم نے اس بچی کا نام بگاڑا ہے۔"

وہ ہنستا ہوا نکل گیا۔ کچھ دور پر جینی کی خواب گاہ تھی۔ دروازے پر پھولدار خوشنما پردہ ہواؤں سے اٹکھیلیاں کر رہا تھا۔ دروازے کے اوپر شیشوں سے نیلگوں مدھم روشنی چھن رہی تھی۔ اندر کچھ کھٹ پٹ جاری تھی۔ وہ ابھی سوئی نہیں تھی۔ مصطفےٰ نے سوچا کہ آگے بڑھ کر اسے آواز دے۔ اور ممی سے ابھی اسے منالے۔ مگر کچھ سوچ کر آگے بڑھ گیا۔ ساری رات وہ بھی نہ سو سکا۔ اور صبح بعد نماز ڈاکٹر صاحب کے یہاں جا دھمکا وہ جاگ رہے تھے۔ اسے دیکھ کر انھوں نے بھیگی آواز میں خوش آمدید کہا۔

ابرار چار رات صبح کی فلائیٹ سے کسی ضروری کام پر چلا گیا تھا۔ کیونکہ اسے دوسرے ہی روز واپس آنا تھا۔ روفی برآمدے میں بیز کرسیاں سجا رہی تھی۔ اس نے مصطفی کو گھونسہ دکھایا۔ مصطفی نے ڈاکٹر صاحب سے شکایت کر دی۔ "پپا دیکھئے۔ وہ مجھے خوامخواہ گھونسہ دکھا رہی ہے۔"

"پپا یہ مجھے پٹھان خان کیوں کہتا ہے۔"

"ہائیں بیٹی۔ تم ایسی غیر مہذب کب سے ہو گئیں۔" انھوں نے حیرت ظاہر کی۔

"دیکھ لینا۔ ایک بھی تحفہ نہیں دوں گی۔ بڑے آئے کہیں سے سالگرہ منانے والے۔"

"کیسے نہیں دو گی تحفہ۔ واہ کوئی مذاق ہے۔" مصطفی بگڑا۔ "میں تمھارا ریڈیو گرام اٹھا لے جاؤں گا۔"

"اٹھائی گیرے کہیں کے۔!"

"اللہ نے چاہا تو یہ بڑی بڑی مونچھیں نکل آئیں گی پٹھانوں کی سی۔"

"موٹو" وہ چیخی۔

"منی بار بار کیوں چیختی ہو؟" وہ بھی چیخا۔

ڈاکٹر صاحب نے اف کہہ کر کان بند کر لیے۔

روفی برا سا منہ بنا کر چلی گئی۔ تب مصطفی ان کی طرف متوجہ ہوا۔ اطمینان کی سانس لے کر انھوں نے پوچھا۔ "کیوں بیٹے۔ صبح سویرے کیسے آ گئے۔ خیریت تو ہے۔؟"

"آپ کو ممی نے بلایا ہے ناشتہ پر۔ بہت جلدی۔ ابھی اور اسی وقت۔"

"بیٹا۔ وہ بات ایسی ہے کہ۔ میں!" ڈاکٹر صاحب یہ سمجھ کر گھبرا گئے کہ بیگم خان ان سے سنجیدہ موضوع پر گفتگو کرنا چاہتی ہیں۔

"ممی آپ سے بہت ضروری بات کرنا چاہتی ہیں۔ وہ آپ کی منتظر ہوں گی۔ دیر نہ کیجئے۔"

بیٹا میں جانتا ہوں۔ جو وہ کہنا چاہتی ہیں۔" ہاتھ ملتے ہوئے وہ بولے: "تم ان سے کہہ دو کہ۔ میں اس قدر نادم ہوں کہ ان کے سامنے آنے کی ہمت نہیں رکھتا۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ پپا!" وہ مسکرایا۔ "وہ کسی غلط فہمی کے سلسلہ میں آپ کا اطمینان کرنا چاہتی ہیں... ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہوگا۔ چلیے۔"

"چلو بیٹے۔" ہرچہ بادا باد۔" ڈاکٹر صاحب بولے۔ اور لباس تبدیل کرکے اسکے ساتھ ہو لیے۔ برآمدے کی سیڑھیوں پر بیگم خان نے ان کا خیر مقدم کیا۔

"آداب صدیقی بھائی۔"

"آداب آداب۔ خیر تو ہے۔ بہن۔" وہ بے چارے خجالت کے مارے نظریں نہ اٹھا سکے۔

"سومو تم ناشتہ کی میز دیکھ لو۔" پھوپھی اماں نے کہا۔

"لیکن میں بھاگ جاؤں۔" اس نے پوچھا۔

"بالکل!" پھوپھی اماں بولیں۔ اور وہ بھاگ گیا۔

جب تک ملازم ناشتہ کی میز سجاتے رہے۔ رسمی باتیں ہوتی رہیں اور دراصل دونوں ہی اپنی جگہ چور بنے ہوئے تھے۔ بہرکیف ناشتے کے دوران میں ڈاکٹر صاحب نے کہا۔

"کوئی ایسی خاص ضرورت ہوگی۔ بہن۔ تم نے مجھے بلوایا۔"

"بھائی۔ میں آپ سے شرمندہ ہوں۔ میری نگوڑی زبان ہی نہیں اٹھتی۔"

"یہی حال میرا ہے۔" وہ بولے۔ "آدمی کو مجبوریاں دعدہ فراموش بناتی ہیں میں تو یہ سوچ سوچ کر ڈرا جا رہا تھا کہ کہیں خدانخواستہ ہماری یہ رشتہ داریاں آپس کی دوستی اور خلوص پر ناگوار اثر نہ ڈالیں۔ لیکن پھر خود کو یہ سمجھاتا تھا کہ دوستی وہی ہے جو بے لوث اور بے غرض ہو۔ میں اگر اپنی مشکلات تمہارے سامنے رکھوں

گا تو تم یقیناً ان پر غور کرو گی۔"

"ہاں ہاں۔ آپ کہیئے۔"

مجھے نہایت شرمندگی ہے۔ زینب بیگم کہ۔ میں نے اتنے دنوں تک تمھیں ایک غلط فہمی میں رکھا۔ تم نے روبی کو مانگا تھا۔ میں بھی خوش تھا کہ وہ ایک اچھے گھر میں آئے گی۔ لیکن اس عرصہ میں میرے بھائی صاحب اور بھابی امریکا سے آ گئے۔ انھوں نے اپنے حقوق میرے سامنے رکھتے ہوئے مجھ سے روبی کا رشتہ طلب کیا۔ اور واضح کیا کہ وہ ان کے لڑکے کی پرانی منگیتر ہے۔ کچھ بھابی اور میری بیوی میں عہد وپیمان ہو چکے تھے جن کا مجھے علم نہیں تھا۔ بہرحال میں اس قدر مجبور ہوں کہ تمھاری دل شکنی کی پرواہ کیے بغیر مجھے حامی بھرنی پڑی۔ میں مصطفیٰ کو بہت پسند کرتا ہوں۔ کاش اسی کے ساتھ میں اپنی بچی کی شادی کر سکتا۔ تم سب کو میں نے اپنے مختصر سے کنبہ کے افراد سمجھا ہے۔ تم نے جو محبت میرے بچوں کو دی ہے۔ مجھے اس کا بھی بخوبی احساس ہے لیکن۔ میں اتنا مجبور ہوا ہوں۔ بہن۔۔۔ کہ میں بتا نہیں سکتا۔ مجھے ندامت بھی بہت تھی۔ اس لیے میں نے سوچا تھا کہ۔ میں سالگرہ میں بھی شامل نہیں ہونگا۔

بیگم صاحبہ بہت متاثر ہوئیں۔ انھیں یہ بالکل گوارہ نہیں تھا کہ عہد شکنی کا سارا الزام اور خجالت صرف ڈاکٹر صاحب ہی کے حصے میں آئے۔ وعدہ شکن تو وہ بھی تھیں۔ نیت تو ان کی بھی خراب تھی لہٰذا انھوں نے کہا "بھائی۔ یہی بات میں آپ سے بھی کہنے والی تھی۔ روبی میری اپنی بچی ہے۔ یہ بہت اچھا ہے کہ وہ اپنوں میں جائے۔ آپ دیکھئے کہ میرے مرحوم بھائی کی بچی میرے پاس آ گئی ہے۔ میرے سوا اس کا کوئی نہیں۔ مرحوم بھائی کو کیا پتہ تھا کہ میں نے مصطفیٰ کا کہیں اور رشتہ طے کر رکھا ہے۔ وہ اپنی وصیت میں لکھ گئے کہ اگر مصطفیٰ کی ابھی تک کہیں شادی نہ ہوئی ہو تو۔ جبینؔ اسی سے بیاہ دی جائے۔ اگر آپ

کہیے تو میں بھائی کا وہ خط آپ کو دکھا دوں۔ انھیں اپنی موت کا یقین تھا لہٰذا مرنے سے ہفتے بھر پہلے ایک تفصیلی خط مصطفےٰ کے نام لکھ کر اس قسم کی وصیت کی تھی۔ میری جان دشواری میں تھی کہ میں کیونکر آپ سے کہوں گی کہ میں بھی مجبور ہوں۔ اور مرے ہوئے بھائی کی وصیت کا پاس و لحاظ کرنا ضروری ہے۔ یہ سب منجانب اللہ ہوا ہے۔ جیسی بڑی قابل قدر بچی ہے۔ میں بہت خوش ہوا ہوں۔ واللہ کہ اب میرے دل میں کوئی خیال نہیں۔ وصیت پوری کرنا فرض ہے۔

"آپ سالگرہ میں تو شامل ہوں گے نا۔ پچھلی مرتبہ بھی آپ ہی نے مصطفےٰ کے ہار پہنایا تھا۔ مردوں میں آپ کے سوا اس کا بزرگ کون ہے۔"

"انشاء اللہ۔ ضرور آؤں گا۔" یہ کہہ کر ڈاکٹر صاحب نے اطمینان کی سانس لی اور فراغت سے ناشتہ کرنے لگے۔ ان میں مختلف گفتگو ہونے لگی۔

"ابرار کا کہیں رشتہ نہیں دیکھا؟" بیگم نے پوچھا۔

"وہ لڑکا اپنے کسی ساجھے دار کی بہن کو غالباً پسند کرتا ہے۔ لغو بیٹ، مہمل۔" ڈاکٹر صاحب ہمیشہ کھاتے ہوئے موٹی آواز میں بولے! "ویسے میں نے کبھی اس کے لیے نہیں سوچا۔ غیر سنجیدہ۔ بچکانی فطرت رکھتا ہے۔ بیوی کے رکھنے کا ابھی اس میں شعور نہیں!۔"

"یہی گت تو مصطفےٰ کی ہے۔ سر پیٹتے پیٹتے میں تو پاگل ہو جاتی ہوں۔"

وہ ہنسے۔ "ہاں ابھی ابھی مصطفےٰ اور روقی میں جھگڑا ہوا تھا۔ ہوا سے لڑتے ہیں۔ یہ لوگ۔" "اچھا یہ بتاؤ۔" وہ چونک کر بولے۔ "اس سلسلے میں بی بی زینب کا کیا خیال ہے۔"

"وہ بہت مسرور۔ مقبول بھائی اور سعادت مند لڑکی ہے۔ اسے کیا انکار ہو سکتا ہے۔"

چھٹیاں تو غالباً ختم ہو چکیں اب اس کا کیا ارادہ ہے۔
صنعتی ادارے میں شرکت کرے گی۔
مصطفےٰ بہت دنوں سے اپنے کاروبار کے سلسلے میں نہیں گیا؟۔
"اس کا ایک ٹنڈر کہیں اٹکا ہوا ہے۔ کہہ رہا تھا کہ ڈھائی لاکھ کا ہے۔ کوشش کر رہا تھا کہ اسی کو ملے۔ پتہ نہیں اس کا کیا ہوا۔ جو خدا کی مرضی۔ ایک وہی صرف تجنید تو نہیں ہے"۔
سالگرہ کا تمام انتظام تو ہو چکا نا۔
صرف تیسری منزل پر گلستے لگنے ہیں۔ وہ آج لگ جائیں گے۔
اچھا بہن۔ اب میں چلتا ہوں۔ انھوں نے آستین سرکا کر کلائی پر نظر ڈالی اور کرسی کھسکا کر اٹھ گئے۔ کل انشاءاللہ سہ پہر ہی سے آنے کی کوشش کروں گا۔ بیٹی تحفے خریدنا میرے لیے ایک پرابلم ہے۔ مصطفےٰ کس چیز کو پسند کرتا ہے؟۔
"کارڈوں پر اس نے خاص طور سے چھپوایا ہے کہ نو گفٹ پلیز۔ لیکن آپ اسے روز نین گملے گھاس پھونس کے دے دیا گئے تو وہ انمول تحفہ سمجھ کر قبول کر لے گا۔
انھوں نے قہقہہ لگایا۔ اور ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔ "واقعی گھر کو گلستان بنا رکھا ہے۔" ان کے جانے کے بعد وہ اندر آئیں۔ اس وقت ان کی مسرتوں کا عالم نرالا تھا۔ دل ہلکا پھلکا۔ اطمینان بھرا تھا کہ وہ خود کو کھلی فضا میں پرواز کرتا... محسوس کر رہی تھیں۔ جب جبیں سامنے آئی تو انھوں نے اسے سینے سے چمٹا کر پیشانی چوم لی۔ ایسا والہانہ انداز تھا کہ جبیں محجوب ہو گئی۔
"کیوں بھئی اماں۔ میں جاؤں ٹریننگ سنٹر؟"
"بیٹی آج جاؤ گی۔؟"
"جی ہاں۔ وہاں کی انچارج مسز شمشاد نے آج ہی بلایا تھا۔ گذشتہ ہفتہ میں

واپس آجاؤں گی۔"
"پہلی بار گھر سے جا رہی ہے۔ بی بی۔ میرا کلیجہ دھڑکا جاتا ہے۔ کسی کو ساتھ نہیں لوگی۔"
"راحت کو لے لو۔" ادی وہ کیا موئی بالشت بھر کی جان!" وہ تشویش سے بولیں۔
"تو پھر۔ پھوپھی اماں۔؟" وہ بھی فکرمند ہوگئی۔
"یہ مصطفےٰ کہاں گیا؟" وہ بڑبڑائیں۔ "اگر باغ میں زمین نہ کوڑنا ہو تو اسے لے لو ساتھ۔"
"آپ کا ڈرائیور تو بھروسے کے قابل آدمی ہے نا پھوپھی اماں؟" وہ چکرائی
"میرا اطمینان کیسے ہوگا۔؟"
وہ چپ ہوگئی۔ پھوپھی اماں نے مصطفےٰ کو پکارا۔ وہ اپنے کمرے سے نکلا۔ بڑا شاندار لباس پہن رکھا تھا۔ اور بہت ہینڈسم لگ رہا تھا۔!
"کہاں کے ارادے ہیں؟" اوپر سے نیچے تک گھورنے کے بعد پھوپھی اماں نے پوچھا۔
"ڈریم کوئن کے ساتھ۔ تفریح۔ آج کل وہ بہت اداس رہتی ہے۔ ممی۔" مصطفےٰ نے کہا۔
"فضول حرکتیں نہ کرو۔ سنو۔" انھوں نے ڈانٹا۔ "زینب بی بی کو ٹریننگ سنٹر جانا ہے۔ اس کے ساتھ جاؤ اور ساتھ آؤ۔ خدا واقف ہے کہ ہمارے گھرانے کی بچیاں کبھی نوکروں کے ساتھ اکیلی باہر نہیں گئیں۔"
"ان سے کہیے گھوڑے پر میرے آگے یا پیچھے بیٹھ جائیں۔ چھوڑ آؤں گا!"
"کبھی تو میرا کلیجہ نہ جلایا کرو۔" وہ آہ بھر کر بولیں۔ جینی کا منھ الگ بن گیا۔ بہرحال خدا خدا کر کے مصطفےٰ راضی ہوا۔ ڈرائیور کو ہٹا کر اس نے

ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ جینی پیچھے بیٹھی تھی۔ گاڑی اس شدت سے اسٹارٹ ہوئی اور اس طرح بھونچال نما انداز سے گیٹ سے نکلی کہ جینی پھلیندوں کی طرح بکھر گئی۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ کچکچا کر مصطفے کے بال جکڑے اور سڑک پر پٹخ دے!

ایک جگہ سڑک کے کنارے اس نے کار روک دی۔

کیا ہے۔ جینی جینی، چلاتے کیوں نہیں۔

اپنے سسرے کا شوفر سمجھا ہے مجھے۔ نہایت تڑے پن سے مصطفے بولا کہ جینی ششدر رہ گئی۔ مجھے کیا معلوم آپ کا وہ اُجڑا اسٹڈ کہاں ہے۔ سامنے آکے بیٹھئے اور راستہ بتائیے۔

راہگیر ادھر ادھر سے انھیں گھورتے ہوئے جا رہے تھے۔ دانت پیس کر جینی اتری اور اس کے پاس اگلی سیٹ پر آ بیٹھی۔ پھر پھنکار کر بولی۔ "اگر کبھی کبھی اماں سے میں نے شکایت نہ کی تو کچھ نہ کیا۔ باہر نکل بالکل لفنگے بن جاتے ہیں۔ آپ نے تعلیم حاصل کی ہے کہ بس گھانس چھیلی ہے۔ لڑکیوں سے بات کرنے کی بھی تمیز نہیں ہے۔ ارے ارے۔ آہستہ چلائیے۔"

"میں تو اسی رفتار سے چلاؤں گا۔ اب تو ساتھ ہی مریں گے۔

سامنے سے ایک آٹو رکشا آرہا تھا۔ ٹکر ہوتے ہوتے بال بال بچی۔ لہرا کر وہ ادھر نکلا اور ترچھی ہو کر زن سے گاڑی آگے بڑھی۔ چیخ مار کر جینی مصطفے کے بازو سے چمٹ گئی اور آنکھیں بند کر لیں۔ مصطفے نے قہقہہ لگایا۔

روک دیجئے گاڑی۔ میں اتر جاؤں گی۔ وہ روہانسی ہو گئی۔ گاڑی ہوا سے باتیں کرتی بالآخر ایک گیٹ پر رکی۔

یہاں کہاں لائے؟" جینی نے گھبرا کر پوچھا۔

کر کے اور ہنسی۔ ضبط کر کے وہ پھر بولا: "لیکن آپ تو شاید اس کی صورت ہی دیکھ کر جل مریں۔ آپ تو بس یہ سمجھتی ہیں کہ آپ سے حسین دنیا میں اور کوئی ہے ہی نہیں۔ واہ بھئی۔"

"کب کہا تھا میں نے۔ کس سے کہا تھا!" بے قابو ہو کر وہ چیخی۔

"آپ کے چہرے سے ظاہر ہوتا ہے ایسا۔"

"بکواس کرتے ہیں آپ۔ اٹھیئے۔ مجھے جلدی جانا ہے۔"

سچ سچ بہت بلند بے حد شریف ہے۔ اسے غصہ کرنا بھی نہیں آتا۔ مصطفےٰ کے دل میں پیار کے ساگر مچلنے لگے۔

"انتہا ہو گئی آپ کی بے مروتی کی۔ آپ نے میری منگیتر کا نام تک نہیں لیا۔"

"آپ کی منگیتر جائے جہنم میں۔ اب اٹھیے گا کہ میں اکیلی جاؤں۔"

بڑی آئی کہیں سے منگیتر کو جہنم میں بھیجنے والی۔ کیا آپ لڑنا چاہتی ہیں۔

مصطفےٰ صاحب۔ آپ کو ہوا کیا ہے؟ اب تو وہ دنگ تھی۔

وہ ہنسنے لگا۔ مجھے اسرار یاد آ گیا۔ وہ خوشی میں یہ شعر پڑھ دیتا کہ

یا الہٰی یہ ماجرا کیا ہے

یہ کہہ کر دیر تک ہنستا رہا۔ حسینی سمجھ گئی کہ اس کا دماغ چل گیا ہے لہٰذا وہ اکیلی چل پڑی۔ کار تک پہنچنے کے بعد اگلا دروازہ کھولا تھا کہ مصطفےٰ نے اس کی بانہہ پکڑ لی۔

"تھوڑی دیر بیٹھیے گا نہیں میرے ساتھ۔"

حسینی کے گال تمتما گئے۔ اس کی گرفت نے رگوں میں آگ سی پھیلا دی۔ اس نے اپنا بازو چھڑا لیا اور چہرہ پھیر کر بولی: "نہیں! مجھے سنٹر پہنچنا ہے۔"

"ارے سنٹر کو خدا غارت کرے۔ دماغ بھنا گیا یہ لفظ سنتے سنتے۔"

پھر آپ کیا چاہتے ہیں۔ میں نہ جاؤں "

نہیں! ۔

کیوں ۔

میں آپ سے باتیں کرنا چاہتا ہوں ۔

لیکن کیوں ؟ ۔ گھر سے دور لا کے ۔ یہاں ۔ اکیلے ہیں ۔ کیا یہ کوئی اچھی بات ہے ۔

اتنی زیادہ بری بات بھی نہیں ہے "

مصطفےٰ صاحب ۔ براہ کرم مجھے گھر پہونچا دیجیے ۔ نہ مجھے سنٹر جانا ہے نہ آپ سے باتیں کرنی ہیں ۔

مصطفےٰ صاحب نہیں ۔ صرف مومو ۔ کہیے ایک بار ! "

کیا ہو گیا ہے آپ کو ۔ اس کی آنکھوں سے حیرت جھانکنے لگی ۔

صرف ایک مرتبہ " وہ اس کے پاس جھک گیا ۔

کبھی نہیں کہوں گی " اس کے سینے پہ دھکا دے کر وہ ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھ گئی وہ ہنسنے لگا ۔ اچھا اچھا ۔ میں بھی دیکھوں گا "

گاڑی چلی ۔ اور اس رفتار سے چلی جیسے طوفانوں کا مقابلہ کر رہی ہو ۔ سڑک پر بھر پور ٹریفک کے درمیان مست ناگن کی طرح لہرا رہی تھی ۔ اور جب ایک کوٹھی کی دیوار سے ٹکر کھا کر ایک طرف جھک گئی تو بے ساختہ چیخنے لگی ۔

مومو ۔ روک دو ۔ مومو آہستہ چلاؤ ۔ خدا کے واسطے " اور وحشت کے مارے اس کے کندھے سے چمٹ کر سسکیاں بھرنے لگی ۔

اس نے قہقہہ لگا کر رفتار بڑھا دی ۔ چینی نیم بے ہوش سی رو رہی تھی ۔

جینی۔ نہ رو۔ جینی دیکھو۔" وہ شرمندہ ہوگیا: "ہم گھر چل رہے ہیں۔ خدا کے لیے سر اٹھاؤ۔ آنسو پونچھ لو۔"

اسے شرمندگی تھی ایسی بھولی بھالی لڑکی کو خوامخواہ ستا رہا تھا! جینی الگ سرک کے بیٹھ گئی اور بڑی بے بسی سے اپنے آنسو پونچھے۔

کمپاؤنڈ میں ایک نیا تماشہ نظر آیا۔ لان پر ایک جم غفیر اکٹھا تھا سب اوپر منہ اٹھائے چیخ رہے تھے۔ وہ دونوں بھی کار سے اتر کر جھپٹے۔ چوکیدار اور اس کی بیوی بلبلاتے پھر رہے تھے۔ اس کی بیوی بری طرح چلا رہی تھی انہیں دیکھ کر چنگھاڑی۔

صاحبزادے۔ میرا منو مر جائے گا۔ وہ دیکھئے اوپر لٹک رہا ہے۔ اسے اب گرا کہ تب گرا۔ اور پھر دہاڑنے لگی۔ آٹھ سالہ صاحبزادے منو میاں پتنگ بازی کے چکر میں اس سیڑھی سے آخری تیسری منزل پر چڑھ گئے تھے۔ جو لائٹ کی تجارر لگانے والے اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ اپنا کام ختم کر کے وہ سب سیڑھی سمیت چلے گئے۔ منو میاں اپنے مشغلہ میں اتنے مگن تھے کہ اس طرف دھیان ہی نہیں دیا تھا اب جو پتنگ کٹ چکا اور وہ اکتا گئے تو واپسی کی سوجھی۔ نیچے جھانکا تو سیڑھی ندارد۔ پہلے تو چیخ چیخ کر اپنی ماں کو پکارا۔ وہ آئی تو چنگھاڑ چنگھاڑ کر اپنی پوزیشن واضح کی۔ ماں نے غصہ میں بھر کر کہا۔ اچھا نیچے تو اتر۔ آج تجھے باپ سے حلال کرائے بغیر نہ رہوں گی۔

حلال ہونے کے ڈر سے وہ نیچے آنے کی کوشش کرنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پاؤں خلا میں لٹکے رہ گئے۔ اور ہاتھوں سے منڈیر تھامے وہ چلاتے رہ گئے۔

سیڑھی لاؤ۔ جلدی کرو۔ اسے کوئی بچے۔ نیچے پہنچ کر سنبھلنے نہ دیا کر آیا سیڑھی کے آنے تک اس کا کیا حشر ہوگا۔ سرکار۔ ہاتھ چھوٹا۔ رہے ہیں اس کے

ماں تڑپی جارہی تھی۔

کوئی سیڑھی اتنی لمبی نہیں ہے۔ حضور۔ چوکیدار گھگھیا کر بولا۔

مصطفےٰ نے تیسری منزل کی اس منڈیر کے عین نیچے پہونچ کر زور سے کہا۔ منو۔ ہاتھ چھوڑ دو۔ میں تھام لوں گا تمھیں۔ منو کود آؤ نیچے۔

میں مر جاؤں گا سرکار۔ میں کیسے نیچے آؤں۔ منو اوپر سے لٹکا ہوا چلا رہا تھا۔ سب لوگ ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے تھے۔ منو کی موت یقینی تھی۔

منو ہاتھ چھوڑ دو۔ مت ڈرو۔ میں تمھیں گود میں لے لوں گا کود جاؤ۔ چھوڑ دو۔ ہاتھ۔ منو ہاتھ چھوڑ دو۔ منڈیر سے۔ نیچے سے مصطفےٰ چیخ رہا تھا۔

اس کی دیکھا دیکھی دوسرے لوگ بھی چیخنے لگے۔ منو ہاتھ چھوڑ دو۔

بالآخر منو کے ہاتھوں نے منڈیر چھوڑ دی۔ تیر کی طرح یا ایک پتھر کی طرح وہ اوپر سے نیچے چلا۔ نیچے گرنے اور سر پٹک کر مر جانے سے پہلے وہ مصطفےٰ کے بازوؤں میں تھا! اس نے اس خوبصورتی سے اسے جھیلا تھا کہ منو کے پاؤں تک زمین سے نہیں لگے۔ البتہ مصطفےٰ کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ اس کا سینہ دہار کی دھونکنی کی طرح پھول پچک رہا تھا! منو بے ہوش ہو گیا۔ اس کی ماں جھپٹی اور اسے ہوش میں لانے کی تدبیر کرنے لگی۔ پھر بے قرار ہو کر اس نے مصطفےٰ کے قدم پکڑ لیے۔ وہ ہانپتا اور ہنستا ہوا بولا۔

ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ اسے لے جاؤ۔ اور ہوش میں لانے کی کوشش کرو۔ خبردار اسے مارنا پیٹنا مت۔ اور آہستہ سے بچے کو اس کی باہوں پر لٹا دیا۔

لوگ چھپٹ گئے۔ منو کو اس کے ماں باپ لے گئے۔ پسینہ پونچھتا اور ہونٹوں پہ زبان پھیرتا ہوا مصطفےٰ اندر آیا۔ اسے پتہ بھی نہیں چلا کہ جبینی کی پیار بھری

نگاہیں اس کے سراپا پر نثار ہو رہی تھیں۔ پھوپھی اماں بھی بڑی پریشان تھیں۔ انھیں یقین تھا کہ لڑکا یقیناً اوپر سے گرے گا اور پھر اس کا بچنا محال۔ انھوں نے مصطفےٰ کی پیشانی چوم لی۔ پھر وفورِ طرب سے گلوگیر لہجے میں بولیں: "آج معلوم ہوا۔ میرا بیٹا ایسے کارنامے بھی کر سکتا ہے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ غریب ماں کی کوکھ میں آگ لگنے سے بچ گئی۔"

مصطفےٰ بش شرٹ اتار کر پنکھے کے نیچے آ بیٹھا۔ وہ کچھ نہ بولا۔

"بیٹی تمھارا کام ہو گیا۔ اللہ تمھیں خوش رکھے۔ تم وعدے کے مطابق آ گئیں۔ اب پھر کب جانا ہے۔ کیا کہا تھا۔ تمھاری کا سفر ہے؟"

"جی!" وہ تو جبینی نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ "اب پرسوں جانا ہے پھوپھی اماں۔"

"ہاں بی بی کل تو اصل خیر سے پل بھر کی فرصت نہ ملے گی۔" وہ جاتے ہوئے بولیں: "منہ ہاتھ دھو کر آؤ۔ میں کھانا لگواتی ہوں۔"

"ممی۔ میں بے چارے بچے کو تھوڑا سا گرم دودھ بھجوا دیجیے۔ بے ہوش ہو گیا تھا۔ میں دیکھے آتا ہوں۔ اسے ہوش آیا یا نہیں؟" یہ کہہ کر مصطفےٰ وارڈ کی طرف چلا گیا۔ "آپ کھانا کھلوا لیجیے۔ میں ابھی آیا۔"

وہ پھر سے پھوپھی اماں کے ہاں آنے لگے تھے۔ ڈھولک کے سامنے گیت پھر شروع ہونے لگے۔ بچوں کے قہقہے گونجے۔ نوجوان عورتوں اور شوخ لڑکیوں کے چیخنے چہچہے۔ عجیب سی پرمسرت چہل پہل شروع ہو گئی۔ پھوپھی اماں کے سسرالی رشتہ دار، ان کی سہیلیاں اور جانے کہاں کہاں کی خواتین تھیں۔ انھوں نے جبینی کو راحت کے ساتھ بھیج دیا کہ سج سنور کر وہاں آئے۔

جبینی کا دل آج عجیب طرح سے مسرور ہو گیا تھا۔ اسے خود بھی معلوم نہیں کہ کیا

وہ کیوں خوش تھی۔ کھڑکی کی دراز سے اس نے جھانکا! مصطفیٰ اپنے کمرے کے سامنے برآمدے میں کھڑا ابرار سے باتیں کر رہا تھا۔ آج وہ اسے پہلے سے زیادہ خوبرو اور دلکش لگا۔ جینی کو حسین انسانوں سے زیادہ بہادر اور طاقتور آدمی پسند تھے مصطفیٰ کی دردمندی کی ایک مثال اس کے سامنے آ گئی تھی۔ اس نے سوچا کہ ایک صحت مند بچے کو تقریباً سو گز کی بلندی اپنے سینے پر برداشت کرنا معمولی بات نہیں ہے۔ اس کے سینے پر کتنا زبردست دھچکہ بیٹھا ہوگا!

لباس تبدیل کر کے وہ باہر آئی۔ ہلکے پھلکے آسمانی رنگ کے لباس اور دلکش زیورات میں وہ بہت سبک نازک اور دلفریب لگ رہی تھی۔!

پھوپھی اماں نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔ وہاں جینی معزز خواتین تھیں اس کے لیے اجنبی تھیں۔ انھوں نے سب سے اس کا تعارف کرایا اور اپنے لوگوں سے نجانے کس زمانے کی باتیں کرتی رہیں۔!

پھر وہاں روبی آئی اور جینی اس کے ساتھ آ گئی۔

عرفان صاحب کو دیکھو گی؟ اس نے سرگوشی کی۔

کہاں ہیں؟۔ جینی نے اشتیاق سے پوچھا۔

وہ۔ ادھر۔ مودی کے پاس کین چیر پر۔ بھائی جان کے ساتھ آئے ہیں۔ ان سے مودی کی بھی دوستی ہے؟۔

بہت دنوں سے!

جینی نے جھانکا! عرفان سامنے ہی تھا۔ لیکن وہ عمر میں ان دونوں سے بڑا معلوم ہو رہا تھا۔ چہرے پر بے پناہ سنجیدگی۔ قیافے سے علمیت اور قابلیت ہویدا تھی۔ اس کی شخصیت اتنی سنجیدہ اور پرکشش تھی کہ جینی نے جو چاہا بے شک روبی کو اسے پسند کرنا چاہیے تھا۔ (باقی آئندہ)

رہ رہ کر ابرار اور مصطفٰے قہقہے لگاتے۔ عرفان صرف بے آواز ہنسنے پر اکتفا کر رہے تھے اس سے پتہ چلتا تھا کہ دونوں ان بے چارے کو بنا رہے تھے جینی کو بڑا غصہ آیا۔ اگر یہ موموا تنا کھلنڈرا نہ ہوتا تو کتنا بے پایاں اچھا ہوتا۔
وہ ہونٹ سکوڑ کر رہ گئی

ابھی سے آ گئے تمھارے عرفان صاحب۔! جینی نے پوچھا۔
پپا سے ملنے آئے تھے۔ بھائی جان کھینچ لائے تھے!۔
اچھا روشی سنو۔ میرا ایک پرابلم ہے۔
کیا؟
تحفے خریدنے کا مجھے کبھی سلیقہ نہ آیا۔ اور پھر مومو کے پاس تو سب ہی کچھ ہے کل میں اسے کیا تحفہ دوں گی؟۔

بالکل کچھ نہیں۔ کارڈ پر جلی حرفوں میں لکھا ہوا ہے۔ نو گفٹ پلیز!!۔
کیا؟" جینی نے جھپٹ کر ایک کارڈ میز پر سے اٹھایا۔ سچ مچ ایسا ہی لکھا ہوا تھا۔ "تو تم کچھ نہیں لا رہیں؟" اس نے روشی سے پوچھا۔
میں تو لا رہی ہوں۔ پرنسپل نرسری سے مجھے سبز و سنہرے گلاب کے پودے ملے ہیں۔ ایک درجن خرید لائی ہوں۔ مومو کے لیے یہی بہترین اس کا من چاہا تحفہ ہے۔ اور وہ شاید پلاٹینم کی ٹائی پن بھی خوشی سے نہ قبول کرے!"
روشی ہنس پڑی: "مومو مجھے بے حد پسند ہے۔ بے حد۔ گولڈن ہارٹ مومو۔!
ارے سنو۔ جینی۔ یونیورسٹی کی بیسیوں لڑکیاں فنا ہوتی تھیں اس پر۔ کوئی کوئی تو آتی ہی تھیں اس سے ملنے۔ لیکن تمھارے آنے کے بعد ممی نے سب کو بھگا دیا!
سچ؟" جینی نے پوچھا۔
ہاں۔ ان میں ایک لڑکی بہت اچھی تھی۔ کسی پروفیسر کی لڑکی۔ خود بھی بہت

تعلیم یافتہ تھی۔ مگر ہو نہ ہو کسی عجیب مٹی سے بنا ہے۔ رتی بھر اسے دھاگا نہیں۔ جب چرکن نے آنا جانا چھوڑ دیا۔"

"کیا نام تھا؟" جینی نے ہنس کر دلچسپی لی۔

"ثمرہ یا فرزانہ کچھ ایسا ہی نام تھا۔ یاد نہیں۔!"

"تمہیں جو ہو پسند تھے تو پھر انھیں کیوں نہیں قبول کر لیا۔"

"چھوڑ دیا کسی اور کے لیے۔" روفی خوش دلی سے ہنس پڑی۔ "مجھے کیا اپنا سر گنجا کروانا تھا۔ دس منٹ کے لیے ملتے ہیں تو رلا دیتے ہیں۔ عمر بھر کون روئے گا!"

"آج انھوں نے کیا حرکت کی۔ معلوم ہے۔"

"کیا کیا؟ یقیناً تمھارے ساتھ بھی اب حرکتیں کرنے لگے۔"

جینی نے حادثے کی تفصیل سنائی۔ روفی ہنستے ہنستے سرخ ہو گئی۔ "خدا کا شکر ہے کہ جیتے جی گھر پہنچا گئے۔ ممی کو پتہ چلا صاحبزادے کے کرتوت کا۔"

"مجھے شرم آتی ہے کہتے ہوئے۔"

"ان کا منشا ہوگا کہ پارک میں لے جا کے تمھیں سبز باغ دکھائیں۔"

"سبز باغ تو دکھائے بغیر نظر آ رہا تھا۔" جینی بولی۔

"اور پھر محبت کے ڈائلاگ بکتے! تم نے ان کا رومانی موڈ چوپٹ کر دیا۔"

"قسم سے ایسا غصہ آ رہا تھا۔ کہ بس جی چاہتا تھا۔ ہڈیاں بھنبھوڑ ڈالوں۔"

"اچھا جینی۔ مجھے پوچھنا یاد ہی نہ رہا۔ ہاں اس ہیرے کے بارے میں کچھ کہا وہ جوڑے؟"

"کچھ بھی نہیں۔ چھپائے پھر رہے ہیں۔ کیا پتہ سیفٹی لاکر میں رکھوا دیا ہو۔"

"بہت بڑا قیمتی ہیرا ہوگا؟" روفی نے پلکیں جھپکائیں۔

"میں نے تو ڈیڈی کے پاس کبھی کوئی ہیرا دیکھا نہیں دیکھا۔" جواب دیا جینی

نے سمجھا جب ایسی پلکیں جلد جلد جھپکائیں۔ پھر بے کسی سے گردن جھٹک کے بولی

اب بالکل بچہ نہ بنو گی۔ انہیں کو خبر نہ ہوگی۔

پر تو میں نے سنا ہے کہ بہت سی اچھی بری باتیں مشہور ہیں البتہ ہوتی

ہیں۔ روفی بولی۔ اب تو تمہیں بھی ضد آگئی ہے۔ جینی نے کہا۔ موقع ہی ہاتھ

پاؤں پڑ کے دکھائے تو دیکھوں گی۔ ورنہ نہیں۔

توبہ کرو۔ وہ کیا دکھائے گا؟!

اچھا جینی میں اب چلوں۔ کچھ تیاری کرنی ہے کل کے لیے۔ کوئی صبح سے

آجاؤں گی۔ یہ بھی کہ کتنے رشتہ دار ہو حق بجانب ہیں؟!۔

خدا جانے۔ میں کسی کی صورت سے آشنا نہیں!۔

روفی کے جانے کے بعد جینی نے دروازہ بند کر دیا اور پھر کھڑکی کی درز سے

آنکھ چپکا دی۔

عرفان صاحب اور ابرار جا چکے تھے۔ تنہا مصطفیٰ ایک آرام کرسی پر نیم دراز

بے معنی انداز میں خلا میں دیکھ رہا تھا۔ بے خبری میں اس کی نظریں مصطفیٰ کے

چہرے پر سے سرکنے لگیں۔ کچھ دیر اونچی شفاف پیشانی پر رکیں پھر بلند و خوشنما

ناک سے گزر گئیں۔ لمبی لمبی خمدار سیاہ پلکوں سے الجھیں اور پھر خوبصورت

ہونٹوں پر آکر چپک گئیں!۔

ان ہونٹوں سے محبت کے نغمے سننا کتنا دلکش ہوتا۔

لیکن کیا وہ اس پروقار انداز والا آدمی بھی جانتا ہے۔ محبت کیا چیز ہے؟

کیا وہ دل کی بات کہے بغیر سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے؟۔

کیا کہنا چاہتا تھا۔ مجھ سے؟۔

اگر وہ کچھ کہہ دے تب۔ کیا میں اس کی پذیرائی کر سکوں گی۔؟

میں تو اتنی جھینپو کمزور اور خود کو لیے دیے رکھنے والی لڑکی ہوں۔ میرے منہ سے تو کچھ بھی نہ نکل سکے گا۔ کچھ بھی نہیں!۔

وہ وہیں کھڑی رہی۔ اسے خبر بھی نہیں لگی مصطفیٰ کرسی سے اٹھ کر کب چلا گیا دوسرے دن سویرے سویرے ہی سے گڑبڑ شروع ہو گئی۔ فجر کی نماز کے بعد سے کونوں میں چھپی روشن چوکی بجنے لگی۔ عجیب مبارک سماں تھا۔ خوامخواہ فرطِ طرب سے دل پہلو میں جلا جا رہا تھا!۔ صبح کی نماز کے بعد جینی نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ لیکن بس وہ ہاتھ اٹھائے اور سر جھکائے اللہ میاں کے سامنے بیٹھی رہی۔ ان سے کچھ مانگ نہ سکی۔ جذبات کے ہجوم میں یہی ہوتا ہے۔ جذبے جاگتے رہیں زبان بند ہو جاتی ہے!۔

باہر بچوں کا غل شور تھا۔ کل منو میاں جو دیوار پر لٹکے ہوئے تھے۔ آج بچوں میں گھلے ملے اچھل پھاند رہے تھے۔ مصطفیٰ اوپر سے اسے دیکھ رہا تھا۔ بے ساختہ اسے ہنسی آگئی۔ آج اس نے جینی کے ساتھ تنہا ناشتہ کیا۔ پھوپھی اماں کو اپنے سسرالی عزیزوں سے فرصت نہ تھی۔

"فرمائیے۔ مجھے آج کیا تحفہ دے رہی ہیں آپ؟" مصطفیٰ نے پوچھا۔

"نو گفٹ پلیز" جینی بولی۔

"آپ کے لیے نہیں ہے۔ وہ تاکید"

"واہ۔ زبردستی ہے آپ کی۔ کہیں نہیں دیکھا کہ جس کی سالگرہ ہوتی ہے وہ مانگ مانگ کے تحفے لیتا ہے۔

میں تو لیتا ہوں"

سوچوں گی۔ کیا دوں؟

ایسی چیز نہ ہو کہ بس طاق پر سجا کر رکھ دیا جائے۔

تو پھر۔
ایسی ہو کر میں اسے نظروں میں سمو لوں۔ دل میں رکھ لوں۔ کہیں آپ۔
ایسی کیا چیز ہے؟" ہر مینی نے حیرت سے پوچھا۔
یہ تو آپ کے سوچنے کی بات ہے۔" اس نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔ اچھا اب میں چلا۔ مجھے آج فرصت نہیں کہ آپ سے جھک جھک کر کے دماغ خالی کروں۔"
اسے پھر غصہ آ گیا۔ جاؤ بلا سے۔ مجھے کیا غرض ہے کہ تم سے اپنا بھیجہ کھاؤں۔
دیکھتے ہی دیکھتے ظہر کا وقت آ گیا۔ اب تو ایک قیامت مچی تھی ہر طرف۔ ساری کوٹھی خواتین سے اور باہر کا حال مہمانوں سے لبریز ہو گیا تھا۔ تبھی منشی صاحب نے لڑکے کو بھیج کر مصطفیٰ کو بلوا بھیجا۔ وہ اپنے بے شمار دوستوں میں بیٹھا تھا ان کی طلبی پر فوراً چلا آیا۔
کہیے منشی چچا۔ کسی چیز کی ضرورت ہے؟" وہ ہنسا۔
نہیں بیٹے۔ سب اللہ کا فضل ہے۔" وہ ہاتھ ملتے ہوئے بولے۔ ایک بات کہنی تھی تم سے۔"
فرمائیے۔ فرمائیے۔
انھوں نے آگے بڑھ کر میز پوش اٹھا۔ میز پر ایک خوان رکھا تھا۔ وہ پہلے مصطفیٰ کو اور پھر خوان کو دیکھ کر رہ گئے۔ مصطفیٰ قریب آیا۔
بیٹے۔ میں غریب آدمی ہوں۔ میری یہ کیا مجال کہ میں اپنے دینے والوں کو کچھ دے سکوں۔ چھوٹی حیثیت ہے جسارت بڑی۔ مگر میرے بچے۔ میرا دل چاہتا تھا۔ میں نے تمہارے لیے اس موقع پر پہننے کے لیے یہ غریبانہ سوٹ بنائے ہیں۔ بیٹے میں جانتا ہوں کہ بیگم نے جس نے تمہارے لیے بڑا قیمتی اور

ایسا بیٹا دیا ہے۔"

مصطفیٰ کو پھولوں سے لاد دیا گیا۔ اس کے صافہ پر زرنگار ہار لپٹے تھے۔ سب سے پہلا گجرا اسے ڈاکٹر صاحب نے پہنایا اور ان پر آرکسٹرا نے ہیپی برتھ ڈے کی زمزمہ بار دھن چھیڑ دی۔ تالیاں بجنے لگیں۔ روشن چوکی کا نغمہ نرالا تھا۔ لوگ اسے مبارکباد دینے لگے!!

اور ڈنر کے بعد جب ملازم شروب بانٹتے پھر رہے تھے۔ ابرار نے پیانو پر گانا چھیڑ دیا۔ آج وہ بہت خوش تھا۔ اس کے دوست کہیں سے پورے باجے اٹھا لائے تھے۔ اچھی خاصی محفل موسیقی تھی۔ ایک ساتھ سب ساز بج اٹھے۔ سماں سا بندھ گیا۔ ابرار جھوم جھوم کر گانے لگا:

ہماری زندگی میں بارہا ایسے مقام آئے
قدم چومے ہیں منزل نے بہاروں کے سلام آئے

لبوں پہ جان اٹکی ہے نگاہیں جانب در ہیں
کہ شاید نامہ بر آئے سلام آئے پیام آئے

مری ویران دنیا میں بہاریں رقص فرما ہیں
اگر تو تھام لے مینا مرے ہاتھوں میں جام آئے

بڑے خوددار تھے پرواز اونچی تھی بڑی روشن
بھلا کیا آج کیوں دانوں کی خاطر زیر دام آئے

(شاہتاب علی روشن)

بڑی واہ واہ ہوئی۔ اس کے بعد چند اور دوستوں نے اپنے کمال فن کی داد حاصل کی۔ اور تقریباً ساری رات محفل موسیقی برپا رہی!

جینی اور روفی اپنی ہم عمر لڑکیوں کے ساتھ الگ تھلگ بیٹھی تھیں۔

جبینی کو پھوپھی اماں نے بلایا۔ جب وہ پہنچی تو اسے بڑے پیار سے دیکھنے لگیں
"چشم بد دور۔ بالکل مثل شہزادی لگ رہی ہے میری بٹیا۔"
وہ شرمائی "آپ نے بلایا تھا پھوپھی اماں۔"
"بیٹی میں کہہ رہی تھی۔ یہ ہو حق تو ساری رات رہے گی۔ تم کچھ دیر سو
رہو۔ بجھے سے بجھے رہی ہو۔ ایسا نہ ہو کہیں اللہ نہ کرے کچھ مزاج خراب ہو جائے!"
"میں تو بالکل نہیں تھکی پھوپھی اماں۔ مگر آپ کی مرضی ہے تو سو جاتی ہوں۔"
اس کی سعادت مندی سے وہ باغ باغ ہو گئیں۔ لیکن انھوں نے اسے
پھر مجبور نہیں کیا۔ بولیں۔
"اچھا تو پھر جاؤ... یہی کہنے کے لیے بلایا تھا۔"
انھوں نے اس پر کچھ پڑھ کر دم کیا اور وہ وہاں سے ہنستی ہوئی پلٹی۔
تقریباً سارے مہمان باہر تھے اور کل خواتین بڑے ہال کی چلمنوں سے لگی بیٹھی
ساز و سنگیت میں گم تھیں۔ راہداری سنسان تھی۔ کسی دو آدمیوں کی باتوں کی آواز
سن کر جبینی کچھ ٹھٹک گئی۔ اس نے مصطفےٰ کی بھاری آواز تو پہچان لی، مگر دوسری
آواز۔ وہ کس کی تھی۔ ردنی تو ہرگز نہیں تھی۔ پھر یہ آنسو بھری التجا سی آواز۔
"تمھارا انکار نہ بھی ملتا تو میں آج ضرور آتی۔ میں کبھی تمھاری سالگرہ کی
تاریخ نہیں بھولتی۔ میرے دل و دماغ میں بہت کشمکش ہوئی مصطفےٰ۔ دل
بیقرار۔ دماغ بضد۔ تم جب میری اتنی سی بھی پرواہ نہیں کرتے تو میں کس
لیے آتی۔ کس کے پاس آتی۔ مگر میں رہ بھی نہ سکی۔ تم لیے تو میرا پریزنٹ بھی
نہیں دیکھو گے۔ اس کی کیا حقیقت ہوگی تمھارے نزدیک۔ لیکن اسے مت ٹھکراؤ
مصطفےٰ تمھارے لیے وہ کچھ بھی نہ سہی۔ مگر میرے تو دل کے ٹکڑے ہیں وہ۔
کچھ تو بولو نا۔ مصطفےٰ۔ کیا تم مجھ سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتے۔"

"اگر اس وقت کوئی آجائے تو ہماری کیا پوزیشن ہوگی؟" مصطفےٰ نے پوچھا۔

کیا تم اسی لیے ڈرتے ہو۔؟"

"میں کسی سے نہیں ڈرتا۔ لیکن میں بدنامی رسوائی اور ناگفتہ بہ باتوں کو بھی پسند نہیں کرتا۔"

"میرے سوا اور بھی لڑکیاں تمہاری شناسا ہیں۔ تم ان سب سے کیوں نہیں ملتے! فرخندہ کہہ رہی تھی کہ تم نے اسے یہ کہہ کر اپنے گھر سے نکال دیا کوئی تمہاری کزن یہاں آکر رہی ہیں۔ کیا وہ کوئی ایسی سخت گیر لڑکی ہے کہ اس کی موجودگی میں تم ہم سب سے ملنا پسند نہیں کرتے؟"

"وہم ہے تمہارا۔"

اس کے بعد جینی نے مصطفےٰ کی آواز نہیں سنی۔!

اس کا بدن سنسنا رہا تھا۔ شاید یہی وہ بے چاری لڑکی تھی جس کا ذکر روفی نے کیا تھا کہ وہ مصطفےٰ سے بہت محبت کرتی تھی۔ لیکن بھلا اس کے اپنے معاملے میں جینی کی شخصیت کی دخل اندازی کیا معنی رکھتی ہے۔ اس نے یہ کیوں مشہور کیا ہے کہ وہ اس کی کزن کے آنے کی وجہ سے اس نے سب سے ملنا جلنا چھوڑ دیا ہے یہ کیا حماقت ہے۔ تم کو اپنی محبت اور ان گنت لڑکیاں [illegible] مبارک ہوں۔ میں کب تمہارے گھر میں قیامت تک رہنے کے لیے آئی ہوں۔ جینی سوچتی رہی۔ اسے غریب لڑکی روزینہ کے التجا بھرے لہجے پر ترس آ رہا تھا۔ دل [illegible] ہی مجبور ہوئی ہوگی تبھی تو رو رو کر اس سنگدل سے محبت [illegible] رہی ہوگی۔

لیکن مصطفےٰ نے کیسے بیدردی سے [illegible] اسے ٹھکرا دیا۔ کتنا [illegible] ہے۔ مرد [illegible] یہ مرد خواہ مخواہ عورت [illegible] اور [illegible] نام [illegible] میں جھانک کر نہیں دیکھتے۔ وہ

غرض کیا ہیں۔ مرد سے بدتر کوئی الجھی ہوئی چیز۔ یہ خود اپنے آپ کو پوری طرح نہیں سمجھتے ہیں!؟ ان کا مسلک اور مشرب ہی اور ہے۔ اگر وہ کسی سے محبت کریں گے تو ہرگز اظہار سے باز نہیں رہتے!۔ روتے چلاتے آہیں بھرتے اور گریبان چاک کرتے ہیں۔ اور اگر یہی صورت حال کسی بے چاری ستم نصیب لڑکی کو درپیش ہو تو ہرگز اس کے جذبات و احساسات کا یقین نہیں کرتے!! پتہ نہیں کون سی عجیب مٹی سے اللہ میاں نے یہ مخلوق بنائی ہے جسے اپنا بھی ہوش نہیں!

وہ ڈرتے ڈرتے راہداری میں آئی۔ اب وہاں کوئی نہیں تھا۔ پتہ نہیں کون لڑکی تھی کہاں گئی۔ البتہ اس نے منڈیر پر ایک بڑا حسین گلاب کا سرخ سرخ پھول رکھا تھا۔ شاید وہ اپنی محبت کا خراج پیش کرنے آئی تھی۔ جسے مرد کی نخوت نے قبول نہیں کیا۔

یکایک جبینی کو مصطفےٰ پر بڑا شدید طیش آیا۔ آخر اسے کس چیز کا غرور ہے صورت شکل کا ایسا اپالو نہیں ہے۔ دولت میں قارون نہیں ہے قسمت کا سکندر نہیں ہے۔ بس ہزاروں لاکھوں مردوں کا سا ایک مرد ہے۔ کیوں اکڑتا ہے اس قدر۔؟

اس نے اکیلے میں روفی کو سارا قصہ سنایا۔

روفی نے چکر مکر دیدے پھاڑے: "اللہ قسم۔ یہی لڑکی تھی۔ پروفیسر عزیز احمد صاحب کی اکلوتی بیٹی ہے۔ ساذینہ۔ اسے بہت پہلے ہی مصطفےٰ نے جواب دے دیا تھا۔

بہت حسین ہے کیا؟

ہے تو۔ تم سے کم۔

...دو۔ کے معاملے میں مجھے نہ گھسیٹ لیا کرو۔" جبینی بگڑ گئی۔ "سوز روفی

کیوں نہ ہم اس بے چاری کی محبت اسے واپس کر دیں۔ تم مجھے سازینہ کے پاس لے چلو۔ میں اسے تسلیاں دوں گی۔ اور مصطفےٰ بدر پاشا کو بھی سمجھاؤں گی کہ ایسی اچھی لڑکی ہے اس سے شادی کر لے ؟

احمق ہو گئی ہو " روفی نے اسے ڈانٹا " یہ ممی اور مصطفےٰ کا اپنا معاملہ ہے کیا تم مصطفےٰ سے زبردستی کی محبت کراؤ گی۔ وہ مرد ہے۔ جینی۔ وہ کوہ الابائی فریر اور سلی ہو مگر مرد کی فطرت رکھتا ہے۔ اور بقول تمہارے وہ اپنے قول و فعل کا مختار ہے۔ کوئی تیز بات .... تم سے کہہ نکلے تو پھر صدمہ ہو گا۔

جینی نے تامل ہوتے ہوئے کہا " لیکن مصطفےٰ نے اس سے یہ کیسے کہہ دیا کہ صرف میرا تاج ہے وہ ان بتوں سے نہیں مل رہا۔ "

کہہ دے۔ تم پر کیا اثر پڑا ہے ؟ "

لڑکیاں مجھے کوسیں گی۔

فضول بات۔ تمہیں کسی کے رازوں کا امین تھوڑی بننا ہے۔

" مجھے رہ رہ کر اس بے چاری سازینہ کی ہچکیاں پریشان کر رہی ہیں مصطفےٰ کی بے رحمی پر دل خون ہو رہا ہے۔ میں نہیں سمجھتی تھی کہ وہ ایسے سنگدل انسان ہیں "

میں اور وں کو انسان نہیں سمجھتی !" روفی بولی۔

پھر کیا سمجھتی ہو ؟ "

" دیا یہ درندہ۔ جو بڑے سلیقے سے درندگی کرتا ہے ! "

صبح کو ناشتہ کی میز پر گھر کے افراد رہ گئے۔ تب روفی نے مصطفےٰ کو حسین و خوشنما گملوں کا نادر نایاب تحفہ دیا۔ عجیب گلاب تھے۔ جن میں ہنر مائل سرخی و زردی تھی۔ چمکیلے روشن برآمدے میں وہ اپنی دلفریب بہار

رہے تھے!

مصطفیٰ بے پناہ خوش ہو گیا۔ "بہت بہت شکریہ روفی۔ وعدہ کرتا ہوں کہ پھر کبھی تمہیں پٹھان خان نہیں کہوں گا۔ اُف کیسے حسین پھول ہیں۔ کہاں سے لائی ہو؟"

"میں پتہ نہیں بتاتی۔ تم اور لے آؤ گے تو پھر ان میں کیا چارم باقی رہے گا" روفی بولی۔

"پلیز"

"بالکل نہیں" روفی نے اکڑ کر منہ پھیر لیا۔

جینی مصطفیٰ کے چہرے پر رات والی گفتگو کا ردعمل دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی مگر وہ تو ہمیشہ کی طرح نظر آ رہا تھا۔ سیدھا سادہ اور قلندر لاابالی۔ کیسے منجھے ہوئے اداکار ہوتے ہیں یہ شریف مرد۔ جینی نے دل ہی دل میں کڑھتے ہوئے سوچا اور اس میں کوئی بات غلط نہ تھی!

میز پر مختلف باتیں ہوتی رہیں۔ دفعتاً ملازم نے نقرئی ٹرے میں رکھ کر دو کارڈ پیش کیے! مصطفیٰ نے خوش ہو کر کہا۔ "ہمارے کنٹریکٹر صاحب ہیں۔ شاید کچھ کہنے کے لیے آئے ہوں گے۔ اور یہ دوسرے۔ جناب ایس اے بھٹناگر صاحب۔ یہ کوئی نئے صاحب ہیں؟"

جینی اچھل پڑی۔ "یہ تو میرے پرنسپل صاحب کے مددگار ہیں۔ پتہ نہیں کیوں آئے ہیں؟"

مصطفیٰ اور جینی ساتھ ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔ وہ بہت تپاک اور ادب سے بھٹناگر صاحب سے ملا۔ اور اپنے کنٹریکٹر سے باتیں کرنے لگا!

بھٹناگر صاحب نے بڑے پر مسرت لہجے میں کہا: "کانگریچولیشنز مس زینت! سرکاری سکالرشپ پر اسٹوڈنٹس کی جو ٹیم امریکہ جا رہی ہے، اس میں آپ کا نام بھی ہے۔ آج سے تیسرے ہفتے پہلی اگست کی بائیس کو روانگی ہے۔ یہی اطلاع دینے میں یہاں آیا ہوں۔ مسٹر جونز نے بھی آپ کو مبارکباد بھیجی ہے۔ روانگی کی تیاری کر لیجیے۔"

"جی۔" بے پناہ مسرتوں نے اسے مغلوب کر دیا۔ چہرہ گلابی ہو گیا۔ دل کی دھڑکنیں ادھوری بجانے لگیں۔

"وہاں جا کر آپ اعلیٰ تعلیم حاصل کریں گی۔"

"لیکن میں نے اس سلسلے میں کوئی کارروائی نہیں کی۔ فادر!"

"مسٹر جونز نے کی تھی۔ بے بی!" وہ مسکرائے۔ "آپ کے نمبر بہت اچھے تھے۔ آپ ہمیشہ سے نہایت اچھا پڑھنے والی طالبہ رہی ہیں۔ ایسے طلبا کو آگے بڑھنے اور ان کے لیے بہترین مواقع فراہم کرنے کے لیے ہم حکومت کوشش کرتے ہیں۔۔۔ اور یونیورسٹی اپنے مضمون آپ کو دے گی۔ یہ فیصلہ آپ کو خود کرنا پڑے گا کہ ان میں سے آپ کو کس مضمون سے دلچسپی ہے!"

"جی۔"

"اچھا اب چلتا ہوں۔ تم بذریعہ ٹیلی گرام اپنے آنے کی اطلاع دے دینا۔ اور ۱۰ اگست کو تمہارا حیدرآباد میں رہنا ضروری ہے۔ کیونکہ تمہیں اپنے ساتھیوں سے بھی متعارف ہونا ہے۔"

اس سلسلے میں اور بھی بہت سی تفصیلات تھیں۔ فادر سے وہاں کا قیام۔ وہاں سے واپسی۔ اور اخراجات کا سوال۔ زینت فرطِ مسرت سے مخمور ہو رہی تھی۔ یہ تو اس نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔

یہ سب ایک نہایت آسانی سے تمہارے آنے کے بعد طے ہو جائے گا۔ بے بی ہر سال ایسے طلبا سرکاری وظیفے پر جاتے رہتے ہیں۔ وہاں انہیں قیام و طعام کی ہر سہولت دی جاتی ہے اور اخراجات اگر تم کرنا چاہو تو ذاتی طور پر کرو۔ تعلیمی خرچ ہی کے لیے سرکار وظیفہ دے رہی ہے"

وہ چلنے کے لیے کھڑے ہو گئے تو مصطفےٰ اپنے ساتھی کو رخصت کر کے ان سے پھر ملا۔ اور ان سے تشریف آوری کی وجہ بڑے ادب سے دریافت کی۔ چنانچہ بھٹناگر نے اس سے بھی وہ ساری باتیں کہہ دیں جو جینی سے کہی تھیں۔!

جینی کا خیال تھا کہ وہ مخالفت کرے گا۔ لیکن اس کے برخلاف وہ بہت خوش ہوا اور نہایت گرمجوشی سے بھٹناگر صاحب سے مصافحہ کر کے بولا: "صاحب یہ ہماری بڑی خوش قسمتی اور آپ کی ذرہ نوازی ہے کہ ہمارے خاندان کی ایک لڑکی اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکہ جائے گی۔ یہ تو آپ نہایت عمدہ نوید لے کر تشریف لائے ہیں۔!"

وہ ہنسنے لگے۔ "آپ کی کزن بڑی ذہین ہے۔ مسٹر مصطفےٰ!"

"بس فادر۔ آپ کا خیال صحیح ہے"

اس نے بھٹناگر صاحب کو یونہی نہیں جانے دیا۔ ان کی اتنی خاطر تواضع کی کہ وہ حیران رہ گئے۔ ادھر جینی کا عجیب حال تھا۔! کشمکش۔ تذبذب۔ حیرت۔ وہ بہت ... چینے لگی تھی۔ جب سکنڈ چانسلر صاحب چلے گئے تو دونوں اندر آئے۔ پھوپھی اماں نے استفسار کیا۔ باہر کون آیا تھا۔ مصطفےٰ نے خوش ہو کر کہا: "ممّا ایک تو ہمارے ٹھیکیدار صاحب تھے۔ خبر لے کے آئے تھے کہ جس ٹھیکے کے لیے میں کوشش کر رہا تھا۔ وہ مجھے مل گیا ہے۔ پورے ڈھائی لاکھ کا کنٹریکٹ ملا ہے۔

"مبارک ہو۔ خدا نے بہر حال میری دعا سن لی" پھوپھی اماں نے کہا۔

"اور یہ بہن! خبر اس سے زیادہ زوردار ہے" مصطفیٰ نے کنکھیوں سے جینی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "بھئی زینت کے پرنسپل صاحب یہ خبر لے کے تشریف لائے تھے کہ سرکار نے سکالرشپ پر امریکا جا کر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والے طالبعلموں میں زینت افروز کا نام نامی بھی شامل ہے لہٰذا آج سے پورے ڈیڑھ ماہ بعد۔ یعنی اگست کی بائیس تاریخ کو زینت سرکاری خرچ پر بغرض اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے امریکہ روانہ کر دیا جائے گا۔ کیا سمجھے آپ سب۔ کیسا لگا!؟"

اس نے تالی بجائی مگر نہ تو واہ واہ ہوئی نہ مبارکباد دی نہ تالیاں بجائیں— سب کے چہرے فق تھے۔ خاص کر پھوپھی اماں کا۔ وہ ہکا بکا جینی کو تک رہی تھی!۔

"تم بیٹی تو امریکا جاؤ گی۔" جینی زور سے چیخ دی تھی۔ پھر سب اپنی اپنی بولیاں بولنے لگے۔

"امریکہ!؟" ۔ ابا دنگ تھا۔ "لیکن امریکا تک تو میرے باپ دادا بھی نہیں گئے امریکا!؟" ۔ رضوان صاحب بڑبڑائے: "لیکن یہ بہت شاندار بات۔ لڑکیوں کو ترقی کا موقع ضرور ملنا چاہیے۔"

"واپسی پر ہماری بیٹی کو بیاہنا مشکل ہو جائے گا:" ڈاکٹر صاحب نے قہقہہ لگایا۔

"امریکا بہت دور ہے:" منشی صاحب بڑبڑائے: "کیسے جائے گی اتنی دور سے

"اب بتائیے۔ ممی:" مصطفیٰ نے پھوپھی اماں کو چھیڑا: "کل تک آپ ایسی تنہا بازار کیسے جانے دیتی تھیں اور کہتی تھیں کہ خدا واقف ہے۔ ہمارے خاندان کی کوئی لڑکی کبھی نوکروں کے ساتھ باہر نہیں گئی۔ اور آج۔ آپ کے

خاندان کی لڑکی۔ اکیلی۔ غیر مردوں اور غیر لڑکوں کے ساتھ بارہ ہزار میل دور جائے گی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔"

"یہ کیسے ممکن ہے" پھوپھی زاد فرنگیا ایں: "یہ کیا نیا شاخسانہ نکلا ہے۔ ہمارے خاندان میں لڑکیوں کی زیادہ تعلیم ہی معیوب سمجھی جاتی ہے۔ نہ ہمیں ہمارے باپ نے اتنا زیادہ پڑھایا لکھایا نہ اعتماد کی بیوی گریجویٹ تھی اگر اعتماد نے اپنی لڑکیوں کو بی۔ اے کرا دیا تو اس کا یہ مطلب کہاں ہے کہ وہ غیر مردوں کے ساتھ جہاز میں بیٹھ کر امریکا جائے مردوں میں پڑھے لکھے مردوں میں روز و شب گزارے۔ اور اپنا اسلامی طرز حیات چھوڑ کر میموں کا فیشن اختیار کرے۔"

"وہاں تو عورتوں میں بھی بھنگ چرس اور سگریٹ عام ہے" مصطفیٰ نے لقمہ دیا: "عورتیں بطور فیشن شراب تک پیتی ہیں۔ اور ماحول کا تو یہ حال ہے صاحب کہ بس نمک کی کان ہے۔ نمک کی کان میں جو چیز گئی نمک بن گئی۔"

جینی دم سادھے بیٹھی رہی۔ اس کا دماغ امریکا کی روشن فضاؤں میں پرواز کررہا تھا۔ "خدا نے ایسا اچھا موقع دیا تھا تو کیوں نہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ ضرور بھجوا دیجیے۔ آنٹی" عرفان صاحب نے تائید کی: "بڑا قیمتی چانس ہے۔ قسمت والوں کو ملتا ہے۔ میں بھی اگلے سال امریکا جارہا ہوں۔ ان سے ملوں گا وہاں۔"

"توبہ کرو۔ میاں" پھوپھی جان نے کہا: "کیا وہاں جاکر اسے سور کا گوشت کھانا اور شراب پینا ہے۔ ارے یہ ہمارے خاندان کی بیٹی ہے۔ خان بہادر شبیر علی خان کی پوتی۔ جن کے گھر کی خواتین کا سایہ ان کے مرد نوکروں تک نے نہیں دیکھا جن کی آواز زنانہ چار دیواری سے باہر نہیں گئی۔ ان کی پوتی۔ امریکا جائے

پڑھنے کے لیے ایسی پڑھائی کو سات سلام کہ جس سے باپ دادا کی روحیں قبر میں تڑپ اٹھیں۔!! وہ مارے جوش کے سرخ ہو گئیں۔ سب گم صم بیٹھے رہے۔ مصطفےٰ نے کوئی اور لقمہ دینے کے لیے لب کھولے تھے۔ مگر ماں کے غضبناک چہرے کو دیکھ کر دم بخود بیٹھا رہا۔

"پھر یہ مسئلہ سوچنے کا ہے۔ ڈاکٹر صاحب اٹھ کھڑے ہوئے۔ "میں تو یہی مناسب سمجھتا ہوں کہ لڑکی کو ایسا فائدہ مند موقعہ گنوانا نہیں چاہیے۔"

ہاں آنٹی۔ آپ جذبات سے الگ ہٹ کے سوچیے۔" عرفان بھی کھڑے ہو گئے "یہ نہایت خوشی اور فخر کی بات ہے کہ آپ کی لڑکی امریکہ رٹرنڈ کہلائے۔ آپ یقین کیجیے ہم کہ بلند اور شریف خاندان کی لڑکی کسی حال میں اور کسی ماحول میں نہیں بگڑ جاتی۔ یہ بھی کوئی ضروری نہیں ہے کہ وہ ناپاک گوشت کھائے اور شراب پیے۔ لاحول ولا قوۃ۔ امریکہ میں بھی اسلامی ماحول ملتا ہے۔ آپ وہاں کی زندگی کا صرف تاریک رخ نہ دیکھیے۔!"

"میں بھی فخر سے کہہ سکوں گی کہ زینت افروز جو امریکہ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے آئی ہے۔ وہ میری آپی ہے۔" روفی نے بڑے غرور سے کہا۔

دانت پیس کر مصطفےٰ نے اسے گھونسہ دکھایا۔ روفی نے لمبی سی زبان نکال کر اسے منہ چڑھا دیا اور غصے کے مارے چہرہ پھیر کر بیٹھ گئی۔ عرفان یہ سارا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ انھیں بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

"یہ جھٹری بلی آپ کو کیا پسند آ گئی ہے۔ عرفان بھائی" مصطفےٰ نے کہا۔ "سوچ سمجھ کر دیکھو۔ میں یہ پوری چائے دانی تم پر الٹ دوں گی۔" روفی نے دھمکایا۔ "بھئی وہ تم سے بڑے ہیں۔ تمھیں ان کا ادب کرنا چاہیے۔" عرفان نے روفی کو نصیحت کی۔

"خدا آپ کو جیتا رکھے۔" مصطفیٰ نے انھیں دعا دی۔

"کون سا دس سال بڑے ہیں۔ منٹ دو منٹ کی بڑائی ہم نہیں مانتے۔" روفی بولی۔

"اچھا۔ میں سوچوں گی۔" اچانک پھوپھی اماں نے کہا۔ "زمانہ بہت بڑی تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہا ہے۔ اگر اس کا ساتھ نہ دیا جائے تو راہیں بہت پیچھے چھوڑ دے گا۔ اور پیچھے رہ جانے والوں کو کون پوچھتا ہے۔" وہ بے حد سنجیدگی سے بولیں۔

"سب آپ کی مرضی پر منحصر ہے پھوپھی اماں۔" عرفان نے ان کی اداسی بھانپ لی۔ "میں تو یہاں بھی ڈیڈی کی مرضی کے مطابق آیا تھا۔ ادارے سے بطور شریک زندگی تھی یہ ایک ضمنی بات نکل آئی ہے۔ کوئی زبردستی نہیں ہے۔ اور میرا جانا ایسا ضروری بھی نہیں!"

"بہت خوب، بہت اچھے۔" ڈاکٹر صاحب بولے۔ اور پھر رخصت ہو کر اپنے کام سے چلے گئے۔ روفی ان کے پیچھے گئی۔

"اچھا اب مجھے بھی اجازت دیجئے۔ آنٹی۔ جب آپ پھر بلوائیں گی۔" عرفان نے قیمہ ختم کر کے پھوپھی اماں کو رخصتی سلام کیا۔ "میرا دل چاہتا تھا کہ میں کچھ دیر اور مصطفیٰ اور ابرار کی صحبت میں بیٹھوں مگر آپ بھی کچھ پریشان ہیں۔ ان شاء اللہ پھر ملنے کی کوشش کروں گا۔"

"کیا پریشانی ہے؟" مصطفیٰ نے پوچھا۔ "آپ ہم سے کیوں نہیں کہتے!"

"عرفان بھائی چاہتے ہیں کہ منظور دادا اور یتیم بچوں کے لیے ایک ہاسپٹل کھولتے" ابرار بولا۔

"نہایت اچھا خیال ہے۔" مصطفیٰ نے کہا۔

"خیال تو اچھا ہے میاں، مگر سرمایہ اچھا نہیں ہے۔" وہ پھیکی ہنسی ہنس

پڑے۔ میرا خیال تھا کہ شاید لاکھ ڈیڑھ لاکھ میں کام بن جائے۔ لیکن وہ بات پانچ لاکھ پر جا پڑی۔"

"بہت رقم ہے۔ آپ نے حکومت سے قرض نہیں لیا؟" ابرار نے کہا۔

"جب تک کام کی بنیاد نہ پڑ جائے۔ کاغذات پر ثبوت تیار نہ ہوں۔ کوئی بینک یا قرض دینے والا ادارہ کسی بنا پر قرض نہیں دیتا۔ اور پھر یہ تو بہت بڑی رقم ہے۔" عرفان نے کہا۔ "خیر۔ تو تم بولو؟"

"عرفان بھائی! آپ اپنا سرمایہ دو لاکھ لگائیے۔" مصطفیٰ نے کہا۔ "اپنے ٹرسٹ کی رقم ڈھائی لاکھ میں لگاتا ہوں۔ پچاس ہزار بھی کہیں نہ کہیں سے مل ہی جائیں گے۔ آپ کا اقدام نہایت ہمدردانہ ہے۔ اسے کمزور مت ہونے دیجئے۔"

"تم یہ کیا کہہ رہے ہو مصطفیٰ؟" عرفان ہکا بکا رہ گئے۔

"میں بھی دیکھتا ہوں۔ بہت سے نابینا بچے ہیں۔ کتنے ایسے ہیں جو پولیو کے شکار ہو کر اپاہج ہو چکے ہیں۔ بعض غریب بچوں کو مفت دوا، انجکشن اور غذا نہیں ملتی۔ ان سب کا بندوبست ہو جائے گا۔ آپ ہاسپٹل ضرور کھولیے۔" مصطفیٰ نے کہا۔ "میں آپ کو یہ رقم یونہی نہیں دے رہا ہوں۔ اسے قرضِ حسنہ سمجھئے۔ جب آپ کو سرمایہ واپس ملے۔ تب مجھے مع سود واپس کر دیجئے گا۔"

"تم سود لوگے؟" ابرار نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں۔

"بے شک لوں گا۔ یعنی اگر میرا کوئی بچہ بیمار ہوا تو عرفان بھائی سے مفت علاج کراؤں گا۔ کیا یہ سود نہیں ہے؟" مصطفیٰ نے بات کو مذاق کا رنگ دے کر سب کا تاثر ختم کر دیا۔

"تمہیں تمہارا ٹرسٹ مبارک ہو مصطفیٰ۔ میں ایسی زیادتی نہیں کر سکتا۔" عرفان بولے۔ "میں کہتا ہوں کہ رقم واپس کر دیجئے گا۔" مصطفیٰ نے بحث کی۔

اگر نہ واپس کر سکا۔؟" عرفان متذبذب تھے۔
تو میں آپ کے پیو کی بچے زبردستی چھین لوں گا۔" مصطفےٰ نے بگڑ کر کہا۔
وہ عجیب سی ہنسی ہنس کر رہ گئے۔
ان میں تکرار ہوتی رہی۔ اصرار انکار۔ جبینی کو اپنے مسائل گھیرے ہوئے تھے۔ وہ بور ہو کر اٹھ گئی۔ اور تنہائی میں وہ پھر خیالوں کے بھنور میں چکرانے لگی۔

یقیناً پھوپھی اماں نہیں چاہتیں کہ وہ جائے۔
ڈیڈی کی مرضی بھی نہیں تھی کہ وہ آگے بڑھے۔
لیکن۔ اس کا یہاں رہنا اب دشوار ہے۔
اس کے ذہن میں رات والی سازینہ کی گفتگو گونج رہی تھی۔ کسے خبر تھی کہ مصطفےٰ ابھی اسے چاہتا نہ ہو۔ اپنی ان کے ڈر سے اور جبینی کے بیان سے اس نے اسے ایسا خشک جواب دیا ہو۔ کون جانے۔ کیا پتہ۔ اگر وہ ایک نامعلوم مدت کے لیے وطن سے اور اپنوں سے دور چلی گئی تب یقیناً اس محروم محبت سے شادی کر لے گا۔ وہ کیوں خواہ مخواہ کسی کا جبر سمیٹے۔ اگر وہ یہاں نہ آتی۔ اس پر ایسے حالات نہ گزرتے۔ تو بے شک اب تک مصطفےٰ اور... سازینہ کی شادی ہو چکی ہوتی؟۔ وہ کسی مجبور لڑکی کی راہ کا پہاڑ بن گئی ہے یہ اسے بالکل پسند نہیں تھی!۔
اگر آج اس کی محبت کی راہ میں کوئی دوسرا جو دھائل ہو جاتا تو اس کے خیالات کیسے چکنا چور ہوتے۔ وہ کیا سوچتا۔ اس کی تو زندگی دوبھر ہو جاتی۔!
تو پھر زینت بیگم۔ تم کسی کا خیال نہ کرو۔ اپنی مرضی مقدم رکھو سب

کی مرضی پر۔ پھوپھی اماں یا مصطفیٰ یا اور کوئی ہرگز تمہارے مستقبل کا معمار نہیں

ہے۔ تمہارا مستقبل تو صرف تمہارے ہاتھ میں ہے۔

پھوپھی اماں زندگی گزار چکیں۔

اور مصطفیٰ نہایت ناقص لاابالی لاپرواہ اور بے تہہ آدمی ہے۔ اس کے سینے میں دل ہی نہیں۔ جسے محبت گداز کر سکے۔ اس کا دل بھی پتھر کا ہے۔ وہ بس یونہی کھیل کود کر زندگی بسر کر لے گا۔ اسے شادی کی بھی ضرورت نہیں۔ ایسے سطحی شریر آدمی بیوی بچوں کا روگ نہیں پالتے۔ اسے کمی کس بات کی ہے۔ اس کے ہر قسم کے تقاضے یوں ہی پورے ہو جائیں گے۔۔ اگر جبینی نے اس سے کوئی امید لگا رکھی ہے تو سخت غلطی کی ہے۔ مصطفیٰ کے چہرے سے سلوک سے گفتگو سے بالکل پتہ نہیں چلتا کہ اسے جبینی کا خیال ہے۔ وہ اسے اپنی ماں کی عزیز سمجھتا ہے اور بس ہے۔ لا لیکن وہ اس کے متعلق کیوں سوچ رہی ہے۔ آخر اس کا وجود اس کی سوچوں کی راہ میں خواہ مخواہ کیوں کھڑا ہو جاتا ہے۔ کیا اس کی کوئی سوچ مصطفیٰ کے خیال کے بغیر مکمل نہیں ہے۔

جبینی کے گال دہکنے لگے

نہیں۔ میں نے اتنی عمر میں کبھی آج تک کسی مرد کو اپنے خیالوں میں جگہ نہیں دی۔ میرے تصورات پاک و منزہ رہے ہیں! تو پھر مصطفیٰ کو کیا حق ہے کہ وہ یوں آزادی سے بے دھڑک میرے ذہن کے بند دروازوں پر دستک دے!۔

میرے دل کی دنیا مرد کے تخیل سے یکسر پاک رہی ہے۔

مصطفیٰ کو بالکل حق نہیں کہ وہ یوں دل کی دنیا میں چلا آئے۔ کہ پھر۔ نکالے

نہ نکلے۔

آخر یہ کیا پاگل پن ہے۔

اس میں قصور مصطفیٰ کا نہیں ہے۔ اس کا اپنا ہے۔

وہ کب کہتا ہے کہ میرے متعلق سوچو۔

میرے لیے ذہن کے دریچے کھول دو۔

مجھے اپنی دنیا میں آنے دو۔

وہ تو کچھ بھی نہیں کہتا۔

کیا عجیب سا ہے۔ بے درد۔ پتھر۔ سنگدل۔

جینی نے زانوؤں میں سر دے لیا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ خیال بھی ایسے سرکش ہوتے ہیں۔

پھوپھی اماں تلاوت کرتے اٹھ گئیں۔ اور مصطفیٰ سے خوب جنگ کرنے کے بعد ہار کر عرفان بھی چلے گئے۔ تب ابرار اور مصطفیٰ باغ کے زینہ کے سرے پر آ بیٹھے۔

تند و تیز خنک ہوائیں چل رہی تھیں۔ پیڑ زمیں بوس ہو ہو کر اٹھ رہے تھے۔ طرح طرح کی خوشبوؤں کی کاک ٹیل ماحول میں نشہ سا گھول رہی تھی!

ابرار نے مصطفیٰ کے کندھے پر ہاتھ مارا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ چونک پڑا۔

"یار کیا واقعی تمہاری کبوتری اڑان بھرے گی امریکہ تک؟" ابرار بولا۔

کیا تعجب ہے یار۔

اسے خدا کے بندے کہہ کیوں نہیں دیتے کہ مجھے تم سے محبت ہے۔ یہ پردہ نشین شرمیلی لڑکیوں کی طرح دل ہی دل میں کب تک اپنی نسبت کا اچار ڈالے رہو گے۔

اب تو اس اچار پر پھپھوندی لگ رہی ہے: مصطفیٰ نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا

"وہ لگی رہے گی اور جینی چل دے گی۔ تم اس سے کہتے ہوئے ڈرتے کیوں ہو؟" ابرار بولا۔

"ٹھیک بات تو یہ ہے ابرار کہ میں اس معاملہ میں خوددار بہت واقع ہوا ہوں۔"

مصطفیٰ مظفر نے مسکرا کر جواب دیا: "مجھے بالکل پتہ نہیں کہ ممی کے خیالات کیا ہیں۔ اور وہ خود کیا سوچتی ہیں۔ فرض کرو کہ میرے سوال کے جواب میں [illegible] نے تمہارا کا تحفہ رسید کر دیا تو میں یہ چوٹ برداشت نہ کر سکوں گا۔"

"پھر تو تم [illegible] اسے؟ مجھے بھائی جان کہتی ہے۔" [illegible] نے کہا۔

"لیکن خبردار میرا نام نہ لینا۔" مصطفیٰ نے کہا۔

پھوپھی اماں کی افسردگی برقرار تھی۔ ان سے جبینی نے کچھ کبھی نہیں کہا۔ نہ انھوں نے پھر کوئی تذکرہ کیا لیکن وہ بیچاری سمجھ چکی تھیں کہ اب ان کی چلنے والی نہیں وہ پرانے زمانے کی ہیں۔ اور اگر اپنا اختیار بروئے کار لائیں تو نیا زمانہ بغاوت کرنا جانتا ہے۔

ان کی خاموشی جبینی کے سینے کا پتھر بن گئی تھی۔ وہ خود سر، ضدی اور خود رائے نہیں تھی۔ اس کے علاوہ زخ صاحب نے اسے ایسی ہی تربیت دی تھی کہ جہاں تک ہو بزرگوں کی مرضی [illegible] جائے۔ جبینی اپنی جگہ شرمندہ تھی کہ خواہ مخواہ اس کی ذات پھوپھی اماں کے لیے باعث غم بن گئی تھی۔ انھوں نے اسے بے پایاں محبت دی تھی۔ اور اس کا ہرگز منشا نہ تھا کہ وہ انھیں اداس کر کے اپنی مرضی پوری کرے۔

وہ بجائے خوش ہونے کی بجائے مغموم تھی۔۔

ادھر دن جلد جلد گزرے جا رہے تھے۔

جب اس نے پھوپھی اماں کے ۔۔۔۔ سلوک میں کوئی تبدیلی اور بیگانگی نہیں دیکھی تو یہ جذبہ محسوس کیا کہ وہ خود سے شکست قبول کر کے ان کے آگے [illegible] رہنے لگی ہیں

تب وہ ضبط نہ کر سکی۔ رات کو وہ حسب معمول اس پر دم کرنے آئیں۔ اور بالکل گم سم سی واپس جانے لگیں۔ جینی ان کے گلے میں باہیں ڈال کر اور سینے سے لگ کر بولی "پھوپھی۔ آپ خفا ہو گئی ہیں۔

وہ بڑی بارعب باوقار خاتون تھیں۔ نہایت بھاری بھرکم اور لیے دیے رہنے والی۔ مگر اس وقت وہ دفعتاً رونے لگیں!

جینی کے دل پر مگریاں چلنے لگیں۔ اس نے انہیں اپنی مسہری پر بٹھالا اور اپنے آنچل سے ان کے آنسو پونچھے۔ پھر گلوگرفتہ لہجہ میں بولی۔

"پھوپھی اماں۔ آپ نے ایک معمولی بات کا اتنا اثر لیا ہے۔ میں نہیں سمجھتی کہ وہ اتنی اہم بات ہے۔ مجھے ڈیڈی کی وصیت کا پاس ہے۔ آپ کی مرضی میری خوشی پر ہزار درجے مقدم ہے میں کہیں نہیں جاؤں گی آپ اطمینان رکھیے۔ میں خود بھی آپ سے دور رہ کر مطمئن نہ رہ سکوں گی!

مگر وہ اس کی پرسکون تقریر سے متاثر نہیں ہوئیں۔ بھرائی ہوئی آواز میں بولیں "اب مجھے احساس ہو رہا ہے بیٹی کہ۔ میں بہت پرانے خول میں سانس لیتی رہی ہوں اسی کو میں تہذیب تمدن اور شرافت سمجھتی رہی تھی! کیونکہ یہی چیزیں معیاری تھیں جب ہم نے پردے میں جنم لیا۔ پردوں میں آنکھ کھولی اور پردوں ہی میں سارا عمر سنسار کیا۔ بچے پیدا کیے شوہر کی خدمت کی۔ خدا کی عبادت ضروری سمجھی۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ ایک وقت وہ بھی آئے گا جبکہ پردہ ایک لعنت بن جائے گا، پردہ نشین معصوم پاکیزہ لڑکی کی تمدن و معاشرت میں کوئی وقعت و اہمیت نہ ہو گی۔ اس پر ترقی پسندی تعلیم، اور جدیدیت کے لیبل لگنے ضروری ہوں گے۔ اور لڑکی جب تک بے محابا کھلے عام بازاروں میں نہ پھرے۔ مردوں کے دوش بدوش دفتروں میں کام نہ کرے۔ خود کو سجا سنوار کر بازاری گڑیا نہ بنالے۔ وہ صحیح معنوں میں لڑکی نہ کہلائی جائے گی۔ یہ

ٹھیک ہے کہ آج کا زمانہ عورت کا زمانہ ہے۔ لیکن اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ کوئی عورت چار دیواری سے باہر نکل کر اپنی حقیقی قیمت اور دل کا سکون کھو چکی ہے۔ وہ بے شک ایک بڑے آفس میں اعلیٰ عہدیدار ہے۔ مگر اپنے شوہر کی وفادار بیوی نہیں ہے۔ وہ کہیں کی وزیر ہے۔ اپنے بچوں کی وہ ماں نہیں ہے۔ جو بچوں کو صحیح تربیت دے کر فرزندانِ قوم بناتی ہے۔ بیٹی عورت سب کچھ ہے۔ مگر عورت نہیں رہ گئی ہے۔"

"آپ بالکل سچ کہتی ہیں پھوپھی اماں۔ مجھے بھی چکا چوند کرنے والا ماحول پسند نہیں ہے۔" جبینی نے بڑے خلوص سے اعتراف کیا۔

"تم ایسے ہی خاندان کی بیٹی ہو۔ جبینی۔ جس نے پردہ میں رہ کر شوہر کے دل پر حکومت کی۔ سارا انتظام سنبھالا۔ اچھے بیٹے پیدا کیے لیکن کسی نے اس کی جھلک تک نہیں دیکھی۔ اب میرا دل سہمتا ہے۔ کلیجے سے ہوک نکلتی ہے کہ۔ تم جو آج تک اعتقاد کے دامن تلے پلی اور جوان ہوئی ہو۔ اب غیر مردوں کے دوش بدوش ہوائی جہاز میں سفر کرو گی۔ ترقی پسند تہذیب میں عورت مرد کا مصافحہ ضروری چیز ہے۔ تمہارا ہاتھ جانے کتنے مردوں کے ہاتھ میں جائے گا۔ اور معلوم نہیں کہ۔ کون سا ماحول کون سا حلقہ دوستوں کا تمہیں ملنے والا ہے۔ اس طویل عرصہ میں جب تک تم وہاں رہو گی میری جان سولی پر رہے گی کہ یا الٰہی میرے مرحوم بھائی کی عزت و آبرو کی خیر ہو!"

"نہیں پھوپھی اماں نہیں۔" بے حد ڈر کر اور سہم کر وہ ان سے چمٹ گئی اور ہانپتی ہوئی بولی۔ "میں ہرگز نہیں جاؤں گی۔ آپ کو میری جان کی قسم۔ اب آپ اداس مت رہا کیجیے آپ اس حادثہ کو بھلا دیجئے۔ بالکل دل سے نکال دیجیے پھوپھی اماں۔"

"لیکن میرا دل دکھتا ہے۔" وہ اسے چوم کر اور اس کا سر سہلا کر بولیں۔ "بیٹی

اپنے بوڑھے اندیشوں کی وجہ سے تمہاری آرزو ملیامیٹ نہیں کر سکتی؟ مجھے تم پر پورا بھروسہ ہے۔ عرفان پر جان دے دو گی۔ لیکن کوئی ایسی بات نہ ہونے دو گی جس سے دنیا کو ہمارے دامن پر دھبہ لگے۔ تم شوق سے جاؤ بیٹی۔ میں تمہارے ساتھ منشی جی اور سب کو بھیج دوں گی۔ اور جلد ہی مومو کو بھی بھجوا دوں گی۔ عرفان بھی پہونچیں گے سیر سے۔ ہم دور ہو جائیں گے۔"

پھر جیجی نے ہزار ہا سوالات کیے مگر انھوں نے نہیں سنے۔ اور دلاسہ اطمینان دلانے لگیں کہ فکر و تشویش کی کوئی بات نہیں ہے۔"

جب وہ ابھی خوابگاہ میں گھسیں تو دیکھا کہ صوفے پر مصطفیٰ لیٹا تھا۔ انھیں آتے دیکھ کر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا آپ رو رہی ہیں امی۔" اس نے ان کے چہرے پر نظر ڈالتے ہوئے جھک کر حیرت اور تشویش بھرے لہجے میں پوچھا "کیا بات ہے مجھ سے کہیے نا۔ آپ کیوں رو رہی تھیں۔"

"کہاں رو رہی ہوں دیوانے لڑکے خوامخواہ وہم ہو رہا ہے تجھے۔" وہ زبردستی ہنس کر بولیں

مصطفیٰ نے ان کے ہاتھ تھام کر انھیں صوفے پر بٹھا دیا اور خود ان کے پیروں میں اتنی پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "میں سمجھتا ہوں کہ آپ اس بیوقوف چھوکری کے معاملہ میں"

"زبان درست کرو بیٹے۔ ہر وقت مذاق اچھا نہیں لگتا۔"

"میں مذاق نہیں کر رہا ہوں امی۔ میں آپ کے آنسو نہیں برداشت کر سکتا۔"

"پاگل ہوئے ہو۔"

"میں پاگل نہیں ہوا۔ البتہ وہ لڑکی اپنی حماقت سے ہم سب کو پاگل بنا دے گی اس نے آپ کو رلایا ہے۔ میں اس کی خبر لوں گا۔"

خبردار۔ جو اس سے الجھے۔ بات میں کروں گی تم سے۔

میں نے آپ کی تمام باتیں سنی ہیں۔

کوئی راز کی باتیں تو تھیں نہیں۔

آپ بہت مجبور ہو کے راضی ہوئی ہیں کہ وہ جائے۔

ہرگز نہیں۔ اس کی خواہش میں میری خوشی بھی شامل ہے۔ کون نہیں چاہتا کہ ترقی کرے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ کہلائے۔

کہیں یہ کوئی کہانی کا الٹا پلٹا اور اس کی شادی کر کے گھر سے بھگا رہے میاں بیوی آپس میں کچھ اوب گئے۔

افوہ۔ مہ نے ٹھنڈی سانس لی۔ تم بھی ڈھنگ سے رہنا جانتے ہوتے تو یہ مسئلہ بھی کب کا حل ہو چکا ہوتا!

تو پھر کر رہی ہیں آپ اس کی شادی۔ وہ حیرت زدہ ہو کر اس نے پوچھا۔

یہی ارمان تھا!۔

کیا اب نہیں رہا۔

تم ایسے لاابالی۔ لاپرواہ۔ اور بے ترتیب نکلے!۔

خیر وہ سب چھوڑیئے۔ مجھے آپ ایک بات بتائیے۔

اب مجھے سونے دو۔ مومو۔ کل میں بار تھک گئی ہوں۔

”آپ کو میری قسم ممی۔ صرف اتنی سی بات بتا دیجیے کہ آپ صرف اسی کی خوشی کی خاطر آمادہ ہوئی ہیں نا۔؟

”اب جو کچھ کہہ لو۔ مومو۔ اس کی خوشی یا میری مرضی۔ کیوں تم کچھ پوچھ رہے ہو۔ دیکھو خبردار۔ اس سے کچھ نہ کہنا۔ اس کا دل نہ دکھانا۔ میں کہے دیتی ہوں۔

مجھے بہت صدمہ ہوگا:

"آپ دیکھ لیجئے۔ میں ایک لفظ بھی نہیں کہوں گا اس سے۔"

"سنو۔ کل تم حمیدو آباد جا کے اس کا سارا کرایہ اور جنگیوں سے رقم نکال لانا۔ تمہاری تمہاری مدد کریں گے۔"

"جی بہت اچھا۔"

اور شاید رقم تبدیل کرنی پڑے گی۔ وہ بھی کرا لینا۔

ضرور کروا لوں گا۔ آپ اطمینان رکھیئے!" مصطفےٰ نے سعادت مندی سے کہا۔ اور انھیں آرام سے لٹا کر ان پر رلائی ڈال دی کمرے سے نکل گیا۔

صحن میں بڑے زینے پر جبینی بیٹھی ہوئی ملی۔ مصطفےٰ نے کراہنا شروع کر دیا ایک کراہ اتنی زوردار تھی کہ جبینی کو خیالوں کے گرداب سے ابھر کر اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔

"کیا تکلیف ہے۔ آپ کیوں کراہ رہے ہیں؟"

دل میں درد شروع ہو گیا ہے۔

کیا؟" وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

ہاں۔ یہاں" اس نے معصوم آنکھوں سے جبینی کو تکتے ہوئے کہا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینے پر رکھ لیا۔ جبینی نے پریشان ہو کر کہا۔

اچھا خاصا دھڑک رہا ہے۔ کیا میں پھوپھی اماں کو بلاؤں۔

"ہاں وہ بے چارہ غالباً اٹھائیس سال سے دھڑک رہا ہے۔ لیکن تم پھوپھی اماں کو مت بلاؤ۔ معاف کر دو۔ جبینی۔ تکلیف کے مارے میرے منہ سے آپ کی بجائے تم نکل گیا۔ تم نے برا تو نہیں مانا؟"

اس کی پلکیں جھک گئیں "نہیں نہیں۔ اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے۔ میرا تو یہی دل چاہتا تھا کہ آپ مجھے تم کہہ کر مخاطب کریں... لیکن آپ نے یہ کیا باتیں شروع

کر دیں۔ مجھے ڈاکٹر کو فون تو کرنے دیجیے۔"

کیا کرے گا ڈاکٹر آکے۔ یہ دوبارہ ایسا دورہ پڑا ہے۔ اس نے کچھ گولیاں"

دوبارہ؟" جینی نے گھبرا کر کہا "پہلے کب پڑا تھا۔

تمھارے آنے سے پہلے۔!

آپ نے علاج نہیں کرایا؟"۔

"کرایا کیوں نہیں۔ گولیاں کھاتا رہتا ہوں۔ لیکن کوئی فائدہ نہیں۔ تیسرا دورہ پڑے گا اور مصطفےٰ صاحب لمبے لمبے لیٹ جائیں گے!"

جینی نے اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا: "ایسا نہ کہیے۔ خدا نہ کرے"

کراہ کر مصطفےٰ صوفہ پر لیٹ گیا۔ جینی اکیلے میں گھبرا رہی تھی۔ بولی۔

"اچھا کچھ نہیں اماں نہ سہی۔ میں بھائی جان یا روفی کو بلا لاؤں۔ یا پھر پپا کو لے آؤں۔ وہ کچھ ٹریٹ منٹ کر دیں گے"

"پپا دل کے ڈاکٹر نہیں ہیں"

"تو پھر۔ آپ کا درد بڑھ تو نہیں رہا ہے!۔

کچھ کچھ۔

آئیے۔ میں سہارا دے کے لے چلوں آپ کے کمرے میں۔ گولیاں کھا لیجیے۔ اللہ کرے کہ رات آرام سے گزرے پھر صبح کو فوراً جائیے گا دل کے ڈاکٹر کے پاس۔

"وہ ڈاکٹر کہیں دور تھوڑی ہے پاس ہی رہتا ہے"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ میں آپ کی گولیاں لے آؤں۔

"تم مجھے سہارا دو۔ میں خود جا کر کھا لوں گا"

اس نے اپنا آدھا بوجھ جینی پہ ڈال دیا۔ بے چاری ہانپ ہانپ گئی۔ بمشکل اس کے کمرے تک لائی۔ بستر پہ لٹایا۔

تمہارا بہت بہت شکریہ۔ جینی۔ اب تم جاؤ آرام کرو۔ لیکن دیکھو۔ ممی سے نہ کہنا۔ وہ بھی تو اختلاج قلب کی مریض ہیں۔ خدانخواستہ انہیں کچھ ہو گیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔؟"

اچھا۔ مگر آپ کو اب کچھ آرام ہے نا۔

بہت۔ اب میں سو جاؤں گا۔!"

جینی واپس آئی تو اس کی پنڈلیاں کانپ رہی تھیں۔ وہ سیدھی زینے پر آ بیٹھی اور سوچنے لگی۔ اتنا پہاڑ جیسا آدمی دل کا مرض کہاں سے لگا لیا۔ خدا خیر کرے۔ تیسرا دورہ خدا کرے کبھی نہ پڑے۔ یہ مرض تو ناقابلِ اعتبار ہوتا ہے۔

پھر اسے یاد آیا کہ اس کے ڈیڈی بھی اسی بیماری کی بھینٹ چڑھ گئے تھے۔

مصطفیٰ پردے کی آڑ سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر مسکرا کر بولا۔

تیسرا دورہ تو اس طرح پڑے گا کہ زینت بیگم کو بس دیکھتی رہ جاؤ:

صبح جینی کو بڑی اداس لگ رہی تھی۔ حالانکہ سب کچھ ویسا ہی تھا!۔

ناشتے پر مصطفیٰ نہیں آیا۔ پھوپھی اماں نے کہا۔

"بیٹی۔ اب کچھ تشویش نہ کرو۔ خیر سے سدھارو۔ آج ہی مصطفیٰ کو حیدر آباد بھجوا رہی ہوں۔ وہ تمہارا زرِ بیمہ لے آئیں گے انشاء اللہ رقم تبدیل بھی کر دیں گے:"

انہیں زحمت نہ دیجئے۔ پھوپھی اماں۔ یہ سارا کام طلباء کے انچارج صاحب جہاز ہی پر انجام دے لیں گے۔ ہمیں رقم لے جانے کی اجازت ہی نہیں ملی۔ امریکہ کے ادارہ وہاں خود ہی تعلیمی خرچ دے گا۔ اگر کچھ کمی پڑے گی تو میں آپ کو لکھ دوں گی۔ آپ بھجوا دیجئے گا۔"

تو پھر اسے منع کر دوں نہ جائے۔

جی نہیں۔!!۔

اور اتنا سیدھا ناشتہ کر کے وہ مصطفیٰ کے کمرے میں گئی۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے
کھڑا بڑی جلدی جلدی داڑھی کو برش کر رہا تھا۔ مسکرا کر بولا۔

"آؤ جینی۔ صبح بخیر!"

"آپ ناشتے پر نہیں آئے۔ اب آپ کا درد کیسا ہے؟"

"خدا کا شکر ہے کہ کم ہے۔"

"کم ہے۔ گیا نہیں۔۔؟"

"جینی دل کا درد کبھی نہیں جاتا۔ باقی رہتا ہے کبھی کم کبھی زیادہ۔"

"آج آپ جائیں گے دل کے ڈاکٹر کے پاس۔"

"میں تو جا رہا ہوں۔۔!"

"کوئی اچھا سا انجکشن لے آیئے گا کہ یہ نامراد درد ہمیشہ کے لیے جاتا رہے۔ کہاں سے
یہ روگ لگا لیا ہے آپ نے۔"

وہ ہنسنے لگا۔ "روگ ہی تو ہے۔ لگ گیا۔ اور یہ روگ اس وقت جاتا ہے
جب آدمی دنیا سے جاتا ہے۔"

"آج آپ بھائی جان کی زبان میں بات کر رہے ہیں۔ جلدی سے ناشتہ کیجیے
۔۔۔ ڈاکٹر کے پاس جائیے۔ ورنہ میں اکیڈمی اماں سے کہہ دوں گی۔"

"بس۔ ابھی گیا۔" جلدی جلدی گالوں پر برش پھیرتا ہوا وہ بولا اور اس کی
طرف سے منہ پھیر لیا۔ اگر جینی ذرا سی بھی [illegible]
[illegible] اس نے تو اس کے چہرے سے [illegible] ایک دو دن کے بیمار [illegible]
[illegible] ہشاش بشاش اور تر و تازہ کہاں [illegible]

[illegible]

[illegible]

ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ ہم اپنی مرضی سے آتے ہیں۔ ایک بلند مقصد کے لیے۔ ایک بار پھر خوب دادیں چاہیں گے۔ اعلیٰ ڈگری لے کر۔ یہ خوش آئند خیال ہمارے سب غم دور کر دیتا ہے۔"

"بالکل بالکل" ایک لڑکی نے تائید کی اور جینی کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب کھینچ لے گئی پھر وہ لوگ اس قسم کی باتیں کرنے لگیں کہ دلیش پر کیا اثر پڑا ہوگا ہو جائے۔

شام کی چائے کے بعد انھوں نے پروگرام بنایا کہ آخری مرتبہ کوئی سا فلم دیکھ لیا جائے پھر یہ فراغت کہاں نصیب ہوگی۔

"آپ سب جائیے۔ میں ایک خط لکھوں گی۔ پھر موقعہ نہیں ملے گا۔ دراصل میرے ایک کزن ہارٹ ٹربل میں مبتلا تھے۔ جب میں نکلی۔ ذرا ان کی خیریت معلوم کرنی ہے۔"

"اچھا اچھا آپ لکھیے۔ ڈونٹ وری۔ سکنڈ شو سہی۔"

جینی خط لکھ کر کیا کرتی۔ اسے تو کل دوپہر یا سہ پہر تک بمبئی پہونچنا ہی تھا اس نے بہانہ کیا تھا۔ وہ کارگر نہ ہوا تو وہ مجبوراً اپنی بیاض لے کر بیٹھ گئی۔ چلتے چلتے ابرار نے دی تھی۔ پہلا ہی شعر پڑھا تھا کہ دل بھر آیا۔

کٹھن ہے منزل صعوبت نہ کوئی ہمدم نہ کوئی [illegible]

قدم قدم پر یہاں ہیں خطرے۔ خدا [illegible]

مونو۔ مونو۔ تم اب کیسے ہو۔ خدارا اتنی شدت سے [illegible] چپکے چپکے سسکنے لگی پھر آنسو بھری آنکھیں دوسرے شعر پر رک گئیں

غنیمت جانیے مل بیٹھنے کو

جدائی کی گھڑی سر پر کھڑی ہے

اس نے بیاض بند کر دی اور دو دیشہ مخدوش [illegible]

دفعتہً نگرانکار صاحب کمرے میں آئے۔ ان کا چہرہ بے حد سنجیدہ نظر آرہا تھا
مس زینت اعتماد علی: اس نے مستفسرانہ لہجے میں پکارا اور سوالیہ نظروں سے کمرے
میں موجود لڑکیوں کو دیکھنے لگا!

یس سر۔ جینی! وہ بمشکل کھڑی ہوئی۔ اور اس طرح انہیں دیکھنے لگی جیسے ان
کے درمیان پانی کا پردہ حائل ہو۔

ٹیلی گرام آیا ہے آپ کے نام!

ٹیلی۔ گرام۔ سن سے کوئی چیز اس کے سینے سے نکل گئی۔

انہوں نے اس کی طرف گلابی رنگ کا فارم بڑھا دیا۔ اور کمرے سے چلے گئے۔
اس نے کاغذ نہیں اٹھایا۔ لڑکیاں اسکے آس پاس کھڑی ہو گئیں۔
مس علی کس کا تار ہے۔ اٹھائیے۔ پڑھیئے۔ وہ بھی اسکی شکل دیکھ دیکھ کر مضطرب
ہو رہی تھیں

۔ پڑھیے۔ بمشکل تمام جینی بول سکی۔ لڑکی نے جھپٹ کر تار اٹھایا۔ کھولا اور بلند
آواز سے بولی۔

مصطفٰے سیریس لی۔ ال۔ ابرار۔

جینی کو اگر سہارا نہ ملتا تو وہ گر پڑتی۔
منشی چچا۔ منشی چچا: وہ گھبرا کر چیخی۔ آپ کہاں ہیں۔ آیئے جلدی۔ مجھے کہیں
چلنا نہیں ہے۔ مومو بیمار ہے۔ ہم گھر چلیں گے!۔

اف اف: منشی صاحب دوڑے آئے۔ تار کا مضمون پڑھا اور سر تھام کر وہاں
بیٹھ گئے۔

تو کیا آپ ہمارے ساتھ نہیں چلیں گی!: لڑکیاں متحیر بھی تھیں متاسف بھی تھیں
وہ پاگل ہو رہی تھی: پھوپھی اماں کا کیا حال ہو گا۔ گھر میں ابتری پھیلی ہوگی۔ خدا

کے واسطے بھٹناگر صاحب کو بلا دیجئے ۔ وہ مجھے سواری لادیں ۔ میں واپس جاؤں گی
اللہ میرے مومو کی خیر کرنا ۔ میرا دل بے وجہ نہیں گھبرا رہا تھا ۔"
اور یہ کہہ کر وہ زور زور رونے لگی ۔
"چلیئے ۔ صاحبزادی ۔" منشی صاحب نے کمر تھام کر اٹھتے ہوئے کہا : "میں ٹیکسی
لیے آتا ہوں ۔ سامان بعد کو آتا رہے گا ۔ صاحبزادے کو ایسی حالت میں چھوڑ کر جانا ۔
نہایت درجے کی سنگدلی ہے ۔ ارے کیا ہوا ہے اسے ۔ میرے اللہ ۔ مولیٰ مشکل کشا اس
کی حفاظت کریں ! ۔"
اتنے میں بھٹناگر صاحب خود ہی آ گئے ۔ ان کے ہنس مکھ چہرے پر آج اس قدر دکھ
محیط تھا کہ ان کی طرف دیکھنے سے ڈر لگتا تھا ۔
"مس زینت ۔ مجھے بے حد افسوس ہے کہ آپ کو واپس جانا پڑ رہا ہے ۔ لیکن آپ
دل کو قابو میں رکھیئے ۔ انسان تقدیر کے آگے بے بس اور مجبور ہے ۔ ہم کو پل بھر بعد کس
صورت حال سے نپٹنا ہو گا ۔ ہم نہیں جانتے ؟ کاش میں آپ کے ساتھ چل سکتا !! ۔ مجھے
انتہا سے زیادہ افسوس ہے ۔ خدا ان کی روح ۔۔ ! "
"کیا ؟ ۔" جینی کے لبوں سے ایک چیخ نکلی ۔
گہری سانس لے کر بھٹناگر صاحب نے اپنے کوٹ کی اوپری جیب سے ایک تار نکالا اور
ایک لڑکی کو پکڑا دیا ۔
"داٹ اے پٹی ۔ فادر ۔" اس نے دہشت زدہ لہجے میں کہا ۔
"کیا ۔ کیا لکھا ہے ۔" جینی نے اس کے ہاتھ سے فارم چھین لیا ۔
ابرار کی طرف سے دوسرا تار تھا ۔
"جینی کم سون ۔ مصطفیٰ ایکسپائرڈ ۔ ! "
وہ لڑکھڑائی اور بے ہوش ہو کر گرنے لگی ۔ بھٹناگر صاحب نے اسے اپنی باہوں

پر سنبھالا! اور میز پر لٹا دیا۔ وہ بہت مغموم تھے!۔ منشی صاحب کی طرف مڑ کر بولے۔

"میں اپنی گاڑی بھجواتا ہوں۔ آپ لڑکی کو لے کر فوراً روانہ ہو جائیے۔ دیر نامناسب ہے۔ جب کبھی لڑکی ہواس میں آئے تو اسے ہماری طرف سے کہہ دیجئے گا کہ ہم بہت جلد اسے اپنے پاس بلوائیں گے۔ اس کا کوئی ضروری کاغذ تلف نہیں کیا جائے گا۔ آپ صبح کے قریب گھر پہنچ جائیں گے۔؟"

منشی صاحب کا حال ابتر تھا۔ وہ بچوں کی طرح رو رہے تھے۔ مصطفیٰ کی ایک ایک خوبی انہیں یاد آ رہی تھی۔ اچھے لوگ اس دنیا میں رہنے کے لیے نہیں بنے۔! کیا حال ہوگا بیگم کا۔ ارے پہاڑ سی جان۔! جینی بٹیا کی تعلیم ہی منحوس ہے۔ کالج ہی میں تو صاحب کے انتقال کی خبر ملی تھی اور اب کالج ہی میں صاحبزادے کی خبر ملی!!"

جب جینی کو ہوش آیا تو بھٹناگر صاحب نے اسے سینے سے لگا کر تسلی دی۔ اور خود جا کر اسے اپنی گاڑی میں بٹھا آئے۔ اسے سب سمجھایا کہ چاہے جب بھی ہو اس کا حق اسے ملے گا۔ وہ پریشان نہ ہو۔!

لیکن اب اسے کہیں آنے جانے کی سدھ کہاں تھی۔ گاڑی میں ایک گوشے میں نیم بیہوش وہ بیٹھی تھی۔ منشی صاحب بھی رہ رہ کر دلدوز آہیں بھر رہے تھے۔!

اور دلکش و جگر پاش یادوں کا ایک بھنور تھا جس میں جینی چکرا رہی تھی! کیا جا کر دیکھے گی گھر میں۔ مصطفیٰ سفید چادر اوڑھے لیٹا ہے۔ اس کی دلکش آواز پھر کبھی سنائی نہ دے گی۔ کاش وہ اس سے کہہ سکتی۔ سنو۔ مجھے تم سے محبت ہے!۔

مگر اب کیا رہ گیا ہے۔ دنیا میں۔ زندگی میں۔ آہ اب سب کچھ بیکار ہے!۔ کیا مومو بھی مر سکتا ہے؟۔ نہیں۔ وہ نہیں مر سکتا!؟!۔

گاڑی ساری رات کے کرب انگیز سفر کے بعد صبح کے وقت نیلوفر کے گیٹ میں داخل ہوئی۔! جینی کا دل سینے سے اڑ کر آنکھوں میں دھڑکنے لگا۔ کیسے اترے گی۔ کیسے

دیکھے گی موموکو۔!

منشی صاحب روتے ہوئے اترے۔ چوکیدار نے حیرت کے مارے منہ فق کر کے جلدی پھاٹک کھولا! اور کچھ پوچھنے چلا تھا کہ کارزن سے آگے بڑھی اور زینوں کے پاس جا کر رک گئی۔

یہاں وہاں سب سناٹا چھایا ہوا تھا۔

منشی چچا۔!" اس کی آواز حلق میں پھنس گئی۔ "کیا سب لوگ کہیں گئے ہیں۔ میں اوپر کیسے جاؤں؟"

منشی چچا بھوں بھوں کر کے رونے لگے۔

مگر کوئی نہ آیا۔!

"پھوپھی اماں۔ پھوپھی اماں۔ ہائے آپ کہاں ہیں۔؟" اب کی جیخ چنگھاڑی۔ پتہ نہیں کہ موموکہاں رکھا گیا ہے۔

اتنے میں دھڑام سے دروازہ کھلا اور پھوپھی اماں حواس باختہ سی باہر نکلیں۔

"بیٹی۔ تم۔ ارے میں اس پیچھے منہ نجومی کے نثار۔" انھوں نے پاگل ہو کر کہا اور اسے سینے سے بھینچ کر خوشی کے مارے رو پڑیں۔

"پھوپھی اماں۔ موموکہاں ہے" وہ دھاڑیں مارنے لگی۔ "آپ نے اسے کہاں چھپا دیا ہے۔ آخر، وقت میں اس کا کیا حال تھا۔! ہائے میرا مومو"

"یہ کیا کہہ رہی ہو۔ بیٹیا۔ دور پار۔ شرم۔" وہ سراسیمہ ہو کر بولیں۔ اتنے میں منشی صاحب بھی زار و قطار روتے ہوئے اوپر آئے۔ پھوپھی اماں بھونچکا سی ہو کر دیکھنے لگیں۔ ششدر تھیں۔

"ہائے زینب بٹیا۔ کہاں ہے میرا بیٹا۔ یہ اس نے کیا داغ دیا ہے۔ ہائے اس کے بدلے میں کیوں نہ۔ اس پر سے صدقے ہو کے مر گیا۔"

"کون مر گیا۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں منشی صاحب!" پھوپھی اماں چیخیں۔ یہیں سے

تو تار گیا کہ۔ صاحبزادے مصطفےٰ کے دشمن جان سے گذر گئے"۔ منشی صاحب سسکیاں بھرتے ہوئے بولے۔ "بٹیا تار پڑھ کر غش کر گئی تھی۔ ساری رات اپنے استاد کی گاڑی میں سفر کر کے صبح سویرے یہاں پہونچی ہے۔"

"خدا مصطفےٰ کے دشمنوں کو زندگی دے۔ میں کہتی ہوں یہ نگوڑی منحوس خبر اڑائی کس نے ہے"۔ پھوپھی اماں چیخ کر بولیں۔

ابرار بھائی کی طرف سے دو تار دیے گئے تھے"۔ اب تو جبینی بھی کچھ چکرائی۔

کہاں ہے وہ منحوس تار۔!" پھوپھی اماں نے نہایت برہم ہو کر پوچھا۔ "واہ یہ ابرار کو کیا سوجھی تھی۔ لیکن ابرار ہے کہاں۔ وہ تو کلکتہ گیا ہوا ہے۔ پرسوں آئے گا"۔

پھر یہ کیا تماشہ ہے"۔ منشی صاحب نے چکر بکر دیدے نچا کر حیرت سے پوچھا۔ پھر مو مو کہاں ہے۔ پھوپھی اماں۔؟" جبینی نے دانت جکڑ کر غصے سے پوچھا۔

"اللہ اس کی عمر بڑی کرے۔ جگ جگ جیئے وہ۔ اس کی ہر بلا پروردگار ٹال دے ارے وہ ہمیشہ کی طرح اوپر چھت پر ورزش کر رہا ہے"۔ پھوپھی اماں نے کہا۔

میں جاؤں پھوپھی اماں۔ اوپر؟" جبینی کو اب بڑا شدید غصہ آ رہا تھا۔ "ٹھہرو۔ میں اسے بلاتی ہوں"۔ پھوپھی اماں بولیں۔ "اب مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ اسی نے کوئی سوانگ کھیلا ہے۔ کہہ رہا تھا کہ ایک سچا نجومی دوست ہے۔ غیب کی باتیں بتاتا ہے۔ اس کی ایسی کی تیسی"۔ پھر انھوں نے صحن میں نکل کر مصطفےٰ کو بڑے غضبناک لہجہ میں آواز دی۔ دوسری آواز پر اس نے جواب دیا

"جی ممی۔ ابھی آیا"۔

"لو دیکھ لو۔ اللہ اسے سلامت رکھے۔ آ رہا ہے!"

مگر بٹیا یہ کیا حرکت تھی ان کی؟" منشی صاحب نقش حیرت تھے۔

مگر جبینی کی آنکھوں میں غصے کے مارے چنگاریاں بھر گئی تھیں۔ جی چاہ رہا تھا کہ

اس چھوٹے بدمعاش کی بوٹیاں اُڑا دے۔

دوسرے لمحے وہ زینے اترتے نظر آیا۔

جیسے ہی جینی پر نظر پڑی۔ چار چار زینے پھلانگتا ہوا پھر اوپر بھاگ گیا۔ اب جینی کہاں رکتی۔ وہ بھوکی شیرنی کی طرح اس کے پیچھے جھپٹی۔

پھوپھی اماں بے پناہ خوش تھیں۔ آگے سرک کے بڑی رازداری سے وہ منشی صاحب سے بولیں "کل سے باؤلا باؤلا پھر رہا تھا۔ نجومی کا بہانہ کر رہا تھا۔ میں سمجھی تھی کہ ضرور یہ کوئی نئی شرارت کرے گا۔ بھلا کہاں چین سے رہتا جینی کے بغیر۔"

لیکن بٹیا کی پڑھائی" منشی صاحب اب جی جان سے مسکرائے۔

کہاں کی پڑھائی۔ بھیا۔ بس بہت پڑھ لیا اس نے۔ اب میں دونوں کے سر سہرا باندھوں گی۔ آپ انتظام کیجئے۔ میں اپنی آرزو پوری کروں گی۔"

ماشاءاللہ۔ سبحان اللہ" منشی صاحب کھلکھلا کر ہنسے" پھوپھی اماں بھی نہایت خوشدلی سے ہنسیں۔ در و دیوار ہنس پڑے۔

مصطفےٰ آنکھیں بند کرکے اور ہاتھ جوڑ کے مہاتما بدھ بن کے بیٹھ گیا۔ جینی نے اس کے بازو پر دو مُکے رسید کیا اور مارے کھسیاہٹ کے رونے لگی۔

"ارے ارے زندہ تو بیٹھا ہوں۔ تمھارے سامنے۔ اب کا ہے کا رونا۔ خدا کی پناہ۔ اتنی زور سے مارا ہے۔ ہاتھ تو نہیں دکھ گئے تمہارے؟"

کیوں ایسا بے تکا جھوٹ بولے۔ کیوں ستایا مجھے!" وہ ہونٹ بسور کر شدت سے ہچکیاں لیتی ہوئی بولی۔

بس اتنی سی بات پر رو رہی ہو۔!" وہ بے اختیار ہنسنے لگا "سچ سچ۔ میں تمھاری محبت کا امتحان لے رہا تھا ارے ابھی کون مرتا ہے۔ وہ درد دل۔ وہ مرض۔ سب یونہی تھا۔ جب مسیحا قریب ہو تو موت پاس ... آئی۔ تم آئیں اور میں اچھا ہو گیا۔ اف۔ کیسی

بے چینی تھی کہ کب تم ہومو کی آخری زیارت کے لیے بھاگتی ہو۔!

لیکن آپ نے ایسا کیا ہی کیوں تھا۔ کہہ دیتے کہ جینی نہ جاؤ۔"

اگر میں یہ کہتا کہ جینی مجھے چھوڑ کے نہ جاؤ۔ تو تم نہ جاتیں جینی؟"

نہیں!" شرم سے اس کی بوجھل پلکیں جھک گئیں۔

اچھا تو اب کہتا ہوں۔ جینی مجھے چھوڑ کے کہیں نہ جانا۔ کبھی نہ جانا۔"

کیوں؟

کیونکہ وہ مبارک ساعت آگئی ہے جب قرارداد کے مطابق تمہیں وہ ہیرا

دکھانا ہے۔

لیکن وہ تو آپ کا ہے۔

ہاں ہے تو میرا ہی۔ لیکن ایک نظر تم بھی دیکھ لو۔"

دکھائیے۔ کہاں ہے؟"

ابھی دکھاتا ہوں۔"

اس نے اٹھ کر تکیہ کے نیچے کچھ ٹٹولا پھر کوئی چیز پیچھے چھپا کر بولا۔

یوں نہیں۔ پہلے آنکھیں بند کرلو۔ جب میں کہوں تب آنکھیں کھولنا۔"

یہ لیجئے۔ بند کرلیں میں نے آنکھیں!۔

دو لمحوں بعد مصطفےٰ نے کہا: بسم اللہ کر کے اب کھولو آنکھیں!"

جینی نے جلدی سے پلکوں سے پلکیں جدا کیں۔ اس کے سامنے ایک شفاف

آئینہ تھا جس میں اس کی حسین و شگفتہ شکل دکھائی دے رہی تھی۔

کبھی تو سنجیدہ بھی ہو جایا کیجئے۔ آپ کتنے بے تکلف مذاق کرتے ہیں۔" وہ

جھنجھلا گئی۔ وہ بہت زیادہ سنجیدہ ہو گیا: یقین کرو۔ زینت۔ یہی وہ ہیرا ہے

جو مجھے ماموں جان سونپ گئے ہیں۔! اس کی قدر و قیمت یا تو تمہیں معلوم

تھی۔ یا مجھے معلوم ہے۔ تراشا ہوا ہیرا ایک ادا ہے۔ جینی۔ عورت کی حیا آبرو اور شرافت! میں ہمیشہ تمہاری بے لوث سادگی کو سلام کرتا رہا ہوں!"
فرط حیا۔ و جذبات سے جینی کی پلکیں جھک گئیں۔ مصطفےٰ کے مکمل پر وقار مردانہ انداز کے آگے اس کی نسائیت جاگ اٹھی۔ اسے محبوب دیکھ کر وہ پرانا مصطفےٰ بن گیا۔
"تو میں تمہارا شکر یہ ادا کرنا اور انعام دینا تو بھول ہی گیا تھا۔ تم تار کے ملتے ہی مجھ پر رونے لگیں سوچا ہوگا کہ اللہ نے یہ دن کیا کہ ایک جھنجھٹ سے نجات دی۔"
میں نے کبھی ایسا نہیں سوچا۔ بلکہ۔ میں تو ہمیشہ سے "اس نے پھر سر جھکا لیا۔
دفعتہً مصطفےٰ نے اکی جھکی ہوئی گردن میں ایک جھلمل کرتا ہوا ہار پہنا دیا۔ پھر پیار سے اس کا چہرہ اٹھاتا ہوا بولا۔
"تمہیں بڑی آرزو تھی کہ میری دلہن ایک ایسا ہار پہنے جس میں ہیرا جڑا ہو۔ خدا کا شکر ہے جینی کہ آج تمہاری آرزو بھی پوری ہو گئی" اس نے کہا اور پھر شرارت سے کہا۔
"تمہاری یہ تمنا بھی میں پوری کر دوں گا۔ جب تم مجھے مسز زینت افروز بنا دیں گی تب میں تمہیں اپنے ساتھ امریکا لے چلوں گا؟"
اسے ہنسی آ گئی۔ "کیا بنا دیں گی؟ ممی۔"
"تم سے اتنا ڈرتا ہوں کہ میں تمہیں مسز مصطفےٰ نہیں کہہ سکا۔!" وہ بھولپن سے بولا۔
اور تب پہلی دفعہ جینی کو ایسا محسوس ہوا کہ اس کے آس پاس جتنے حسین پھول بکھرے پڑے تھے وہ سارے کے سارے کھلکھلا کر ہنس دیے ہوں!!!

ــــــ ختم شد ــــــ